بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

(النور)

تحفہ مستریان

یعنی

فتنہ مستریان کی حقیقت

ی فضل کریم اینڈ سنز کے خلافت حقہ سے ارتداد

ت سے بیزاری کے صحیح اور مکمل واقعات اور

عوت مباہلہ کا ناقابل تردید مفصل جواب

مرتبہ

اکسار میر قاسم علی ایڈیٹر فاروق قادیان

جس کو بماہ دسمبر ۱۹۲۶ء

اروق پریس قادیان میں مصنف نے طبع کرا کر فاروق منزل قادیان سے شائع کیا

ایک روپیہ کے چار نسخے

بار دوم

اخبار فاروق قادیان

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا بعہد خلافت ثانی جو پہلا اخبار قادیان
سے شائع ہوا ہے۔ ہر ایک احمدی کے مطالعہ کے قابل ہے۔
اس میں جملہ مخالفین اندرونی "پیغامی" "غیر احمدی" اور بیرونی
"دشمنانِ اسلام "آریہ" و "عیسائی [illegible] اعتراضات کے جوابات مکمل اور
مدلّل اور دند[illegible] شکن دیئے ج[illegible] مہینے میں چار بار شائع
ہوتا ہے۔ [illegible]انہ چندہ عام صرف چا[illegible] اور ششماہی دو روپیہ
معہ محصول ڈاک ہے۔ درخواست خریداری پتہ ذیل پر کرنی چاہیئے

مینیجر فاروق قادیان ضلع گورداسپور

پنجاب

Waheeduddin Ahmed

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم ط

فتنہ مستریاں کے صحیح واقعات

اور

مخفی رازوں کے انکشافات

کچھ عرصہ سے مستریان مشین سیویاں قادیان کی طرف سے ایک فتنہ اٹھا ہوا ہے جس کے متعلق رئیس الاشرار زمیندار اور دیگر آریہ اخبار اور منافقین نابکار نے طرح طرح کے مضامین افتراء سازیوں سے پر لکھ لکھ کر سلسلہ عالیہ احمدیہ کو بدنام کرنے کی غرض سے اپنا خون پانی کر کے بہا رکھا ہے۔ گو وہ اپنے منصوبوں میں خسر الدنیا والآخرۃ ہی ہوئے۔ اور انشاء اللہ آیندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ لیکن مستریان مذکور چونکہ [illegible] بذریعہ اشتہارات وغیرہ منافقین کی سازش اور ایماء سے اور [illegible] و منشاء سے شائع کرتے رہتے ہیں۔ جس سے ممکن ہے۔ کہ [illegible]یف الایمان اور مریض القلب انسان دہوکہ میں آجائیں۔ اس لئے میں نے مناسب [illegible]ا۔ کہ مختصراً اس فتنہ کی ”اصل حقیقت“ ظاہر کر دوں۔ تاکہ مومنین کے ازدیاد ایمان اور منکرین [illegible] لئے دیال جان اور حاسدین کے حق میں الٰہی نشان کا موجب ہو۔ اِلاّ اصل حقیقت کے [illegible]سے قبل فتنہ انگیز مُفتنین سے ناظرین فاروق کو انٹروڈیوس کرا دینا ضروری ہے۔ لہذا میں پہلے ان فتنہ پردازوں کے نام و نشان سے واقف کراتا اور ان کی ابتداء اور

انتہاء بتلاتا ہوں۔ بعدازاں اصل حقیقت عرض کروں گا۔ وما توفیقی اِلاّ باللہ علیہ توکّلت والیہ انیب۔

مگر یہ امر واضح رہے۔ کہ مستریان مشین سیویاں محض ایک آلۂ کار یا مُردہ بدست زندہ کی طرح ہیں۔ جن کو ہلانے چلانے نچانے بلانے والے پس پردہ کچھ اور لوگ کافرین۔ فاسقین۔ منکرین۔ منافقین کے رئیس وامیر دسرگروہ شیاطین الانس سے ہیں۔ جن کا دین وایمان یہی ہے۔ کہ جس طرح بھی بن سکے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مٹانے اور امام جماعت احمدیہ پر الزام لگانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ اور کوئی تیر ترکش میں باقی نہ رکھا جائے۔ خواہ تیرانداز جہنم میں ہی چلے جائیں۔ مگر اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئیں۔ بہرحال یہ شیاطین کا ایک آخری حربہ ہے۔ جو اُن پر ہی اُلٹ پڑے گا۔ اور دو جہان میں ان کی روسیاہی کا باعث ہو جائیگا۔ انشاءاللہ۔

فتنہ انگیزوں کے مختصر حالات

عرصہ قریباً چودہ سال کا ہوا۔ کہ جالندھر شہر سے ایک شخص مسمی فضل کریم لوہار جس کی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ معہ اپنے تین خورد سالہ بے ماں کے بچوں کے جن میں ایک لڑکی اور دو لڑکے تھے۔ نہایت خستہ حالی سے قادیان آیا۔ بڑے لڑکے کا نام عبدالکریم۔ چھوٹے کا محمد زاہد۔ لڑکی کا سکینہ تھا۔ ان تینوں کی عمر اُس وقت علی الترتیب ۱۰-۵-۷ سال کے قریب تھی۔ یہ احمدیہ مہمان خانہ میں ٹھہرے۔ اور ایک معمولی ٹرنک جس میں کچھ پیشہ آہنگری کے اوزار تھے۔ انکے پاس تھا۔ چندما، مہمان خانہ میں رہکر قریب ہی مکرمی ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب احمدی مہاجر کا بالاخانہ جس کے نیچے ایک دوکان ہے۔ کرایہ پر لے لیا مکان میں رہائش دوکان میں کام شروع کیا۔ اس کا کرایہ بھی ابھی کچھ انکے ذمہ باقی ہے تاحال ادا نہیں کیا۔ پہلے پہلے یہ مٹی کے تیل کے کنستروں اور دیگر قفل نالیوں وغیرہ کی مرمت کرکے اپنا گذارہ کرتے رہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ان کی شادی کی تجویز کرکے

ایک لڑکی سے ستری فضل کریم کا نکاح کرادیا گیا۔ جو کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی فوت ہوگئی بڑے لڑکے عبدالکریم کو کالج احمدیہ میں اور چھوٹے محمد زاہد کو تعلیم الاسلام ہائی سکول میں اور لڑکی کو زنانہ مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بٹھادیا۔ مدرسہ سے فارغ ہوکر دونوں لڑکے اپنے باپ فضل کریم کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

احمدیت کی بدولت خدا نے ان پر فضل کیا۔ کہ بڑا لڑکا مولوی فاضل ہوگیا۔ اور چھوٹے محمد زاہد نے انٹرنس پاس کرلیا۔ لڑکی نے بھی گرلز سکول میں کچھ تعلیم پالی۔ اسی زمانہ میں خدا نے ان پر یہ احسان بھی کیا۔ کہ وہ معمولی مرمت وغیرہ کا جو کام کرتے تھے۔ اس میں ترقی ہوئی۔ کہ سیویاں نکالنے کی "جندی" بنانے لگ گئے۔ جو رفتہ رفتہ "مشین سیویاں" کے نام سے مشہور کی گئی۔ اس کام میں انکو مالی امداد کی ضرورت پڑی۔ تو احمدیہ سٹور نے ان کی درخواست پر کچھ مالی امداد دی۔ جس کا انجام انکے لئے بُرا ہوا۔ جو آگے چلکر بتایا جائیگا۔ تیسرا فضل اللہ تعالٰے نے یہ کیا۔ کہ حضرت میاں صاحب سلمہ اللہ نے انکو مکان کے لئے زمین مفت عطا فرمائی۔ جس پر انہوں نے اپنا رہائشی مکان جو آج "مشین سیویاں بلڈنگ" کے لقب سے مشہور کیا جارہا ہے۔ بنالیا۔ جو ایک مردم خورڈھاب کے کنارے واقع ہے۔ جس کا بیان آگے آئیگا۔

آج یہ مشین سیویاں بلڈنگ مکرمی سید محمد اشرف صاحب احمدی سابق ہیڈ کلرک محکمہ تعلیم کے پاس ایک ہزار روپیہ میں رہن بالقبض ہے۔ جو دس روپیہ ماہوار کرایہ پر ستری صاحبان کے پاس ہے۔ جس کا دس ماہ کا کرایہ بھی ابتک ادا نہ کرسکے۔ تو یکصد روپیہ کا ایک ہینڈ نوٹ بابت کرایہ لکھکر شاہ صاحب کے حوالہ کردیا۔ اس طرح گیارہ سو روپیہ اب ستریوں کے ذمہ ہے۔ جس کا سید صاحب نے اُن پر دیوانی میں دعوٰی دائر کیا ہوا ہے۔ جس کی بناء پر عدالت سے حکم امتناعی انکے نام جاری ہوا ہے۔ کہ وہ تافیصلہ مقدمہ مکان کو کسی کے پاس بیع و رہن نہ کریں۔ آج یکم اکتوبر تک یہ مقدمہ عدالت میں زیر تجویز ہے

چوتھا فضل خدا نے اُن پر یہ کیا۔ کہ اونہوں نے قرض لے کر آٹا پیسنے کی ایک پُرانی چکّی خریدلی جس کو مرمّت وغیرہ کر کے چلانے لگے۔ اور فلورمل کے مالک بن گئے۔ بالآخر گذشتہ سال بدقسمتی سے اونہوں نے ایک بوسیدہ موٹر کرایہ پر چلانے کی نیت سے خریدی۔ تو اس کے لئے کوئی ایسا ڈرائیور جو ہر پھیرے میں اس کی مرہم پٹی کر کے چلاتا رہے نہ ملا۔ لاچار ہو کر مستری فضل کریم صاحب کے ہونہار فرزند دلبند فخر دودمان محمدؐ زاہد کا دِل پگھل آیا۔ اور اس نے فوراً کالج چھوڑ کر موٹر کو آسنبھالا۔ اور چند ہی ایام میں موٹر ڈرائیوری کی سند حاصل کر کے خود اس کو کرایہ پر چلانے لگا۔ اس جدید ڈرائیور کی مار موٹر برداشت نہ کرسکی۔ اور باغی ہو کر ہاتھ سے نکل گئی۔ مجبور ہو کر "مولانا بفضل اللہ زاہد صاحب" نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ بیدست و پا کر کے میدان میں کھڑی کر دی۔ جہاں وہ اب تک پڑی ماتم کر رہی ہے۔

یہ ہے ناظرین اِن نوخیز فتنہ پردازوں کی ابتدائی حالت جو قادیان میں آجانے کی وجہ سے اُنکو نصیب ہوئی۔ افسوس کہ اوس جالندھری پستی سے اس احمدی بلندی پر پہنچنے کی برداشت ان سے نہ ہوسکی۔ اور خود فراموش بنکر یہ آفتاب پر تیر پھینکنے لگ گئے۔ کاش فضل کریم اپنی اوس جالندھری حالت کو یاد رکھتا۔ اور پھر اس خدائی فضل کی قدر کرتا۔ تو آج نہ اپنا ایمان کھوتا نہ اپنی اولاد کی ہلاکی کا موجب ہوتا۔ یا خدا کے اس ارشاد کو اُس مولوی بننے والے بیٹے سے ہی سُن لیتا۔ کہ انّما اموالکم و اولادکم فتنۃ تو تب بھی عاقبت کی بربادی سے بچ جاتا ہے۔ مگر تقدیر کا نوشتہ کون بدلے اور سے

بچائے کون اس کمبخت کو جسکو خدا مارے

وہ دن نزدیک آگیا۔ جو علم الٰہی میں اِن کی ہلاکت دینی و ایمانی کا مُقدّر تھا۔ اور اگست ۱۹۱۹ء سے اُس کی بنیاد پڑنی شروع ہوگئی۔ جس کے مختصر واقعات آگے بیان کرتا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے جو کچھ لکھونگا۔ بغیر کسی جذبات سے متاثر ہونے کے عرض کرونگا۔ اور ایک بات بھی بے ثبوت نہ پیش کروں گا۔ سب کا ثبوت مستریوں کا دستخطی جس سے انکار ممکن ہی نہیں دکھاؤں گا؛

سٹور کا مقدمہ اور ابتلاء کا آغاز

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ط

بماہ اگست ۱۹۱۹ء چودہری غلام محمدؐ صاحب بی۔ اے مینجر احمدیہ سٹور نے نظارت امور عامہ میں ایک درخواست دی۔ کہ مستری فضل کریم کے ذمہ ایک سال سے سٹور کا کچھ روپیہ ہے۔ وہ اس سے دلایا جائے۔ یہ درخواست ۴ مارچ ۱۹۲۰ء کو برضامندی فریقین اس طرح فیصل ہوئی۔ کہ مستری فضل کریم بحساب دس روپیہ ماہوار ماہ مارچ سے باقساط یہ روپیہ ادا کرے۔ اس فیصلہ پر فریقین کے دستخط کرائے۔ مستری فضل کریم نے یہ الفاظ اپنی قلم سے لکھکر کہ "مجھے یہ فیصلہ منظور ہے" دستخط کر دیئے۔ اس فیصلہ کی اجراء کا جب وقت آیا۔ تو مستری فضل کریم نے اس منظور کردہ فیصلہ کا اپیل محکمہ قضاء میں کر دیا۔ جو ۲۸ مارچ ۱۹۲۰ء کو اس بناء پر نامنظور ہو گیا۔ کہ جو فیصلہ برضامندی فریقین و بمنظوری مدیون ہو چکا ہے۔ اس کی اپیل کا کوئی حق قانوناً یا شرعاً مدیون کو نہیں۔ لہذا مستری صاحب حسب فیصلہ منظور کردہ خود اقساط ادا کر دیں۔ پھر ۳ مارچ کو عبد الکریم پسر فضل کریم نے لکھا۔ کہ محکمہ قضاء نے مغالطہ دیکر فیصلہ کیا ہے۔ اسلئے قابل اپیل ہے۔ اس کا پھر وہی جواب ۴ اپریل کو دیا گیا۔ کہ کوئی حق اپیل کا نہیں ہے۔ جبکہ آپ رضامندی سے باہمی فیصلہ کر کے اس پر منظوری کے دستخط کر چکے ہیں۔ اور لکھا کہ اب بھی اگر آپ اس منظور کردہ فیصلہ کی تعمیل نہ کریں گے۔ تو اس کے نتیجہ کے ذمہ وار ہونگے۔ اس پر مستریوں کو طیش آگیا۔ اور انہوں نے دو درخواستیں ایک ۴ اپریل دوسری ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو نہایت ہتک آمیز لہجہ اور گستاخانہ الفاظ میں خانصاحب ذوالفقار علی خان ناظر امور عامہ کو بذریعہ ڈاک بھیجدیں جن میں وہ رویہ اختیار کیا۔ جو ایک نادہند انسان اور دشمن بدخواہ سلسلہ کا ہوتا ہے۔ پھر ۲۴ اپریل کو ایک درخواست دی۔ کہ ہمیں اپیل کے واسطے دس روز کی مہلت دیجائے۔ ہم کوئی قسط نہیں ادا کرینگے جب تک کہ اپیل نہ کرلیں۔ ان کے اس عذر کو بھی توڑ کر جھوٹے کو گھر تک پہنچا دیا۔ اور مہلت دیدی

دس یوم کی مہلت لیکر ۲۲ مئی کو ایک لمبا اپیل قضاء کے میز پر رکھکر چلے گئے۔ جس پر ۱۰ اگست ۲۰ء کو قضاء نے بدیں مضمون ایک مفصل رپورٹ ناظر صاحب امور عامہ کی خدمت میں بھیجی۔ اور اس میں لکھا۔ کہ

"مستری فضل کریم کی جتنی تحریریں شامل مثل ہیں۔ وہ اکثر توہین آمیز ہیں۔ اور ان پر اس سے کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اب وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس لئے جناب شمولہ مثل تحریرات کو پڑھیں۔ اگر امکان میں ہے۔ تو اس پر کوئی نوٹس لیں۔ ورنہ سٹور کو ہدایت کریں۔ کہ وہ دیوانی دعویٰ کر کے روپیہ وصول کر لیں"

"جو شخص اس قسم کی بے ادبانہ تحریریں لکھتا ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال کرنا۔ کہ وہ کسی حکم کے ماننے کے لئے طیار ہو گا۔ میرے نزدیک صحیح خیال نہیں۔ اس لئے مثل واپس بھیجتا ہوں۔ جو مناسب سمجھیں۔ کارروائی کریں"

آخر نظارت امور عامہ میں عرصہ تک مستری صاحب اپنے منظور کردہ فیصلہ کے خلاف بیجا عذرات اور محکمہ قضاء وغیرہ کی شکایات کرتے کراتے اس مرحلہ پر پہنچے۔ کہ جو سامان خوردنی اور دیگر برائے مشین سیویاں سٹور نے اپنی فہرست میں میرے نام درج کیا ہے۔ اس سامان کا بیجک دکھائیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ کس بھاؤ سے خریدا گیا ہے"

اس عذر لنگ کا جواب مینجر سٹور سے طلب ہؤا۔ تو انہوں نے لکھا۔ کہ مستری صاحب خود اپنا سامان ساتھ جا کر خرید کر لاتے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں۔ کہ وہ کس بھاؤ سے لاتے تھے۔ بیجک انکے پاس ہونگے۔ ہمارے پاس نہیں۔ پھر مستری صاحب نے یہ عذر کیا۔ کہ سٹور سے میرے کھاتہ کی نقل منگا کر مجھے دکھائی جائے۔ وہ بھی منگا دی۔ جب تمام مراحل طے ہو چکے۔ اور ہر ایک عذر مستری صاحب کا منقطع ہو گیا۔ اور حساب کی رو سے مبلغ ۳۰۷/۱۳/۱ انکے ذمہ نکلے۔ تو اب یہ عذر پیش کر دیا۔ کہ سٹور نے جو منافع لینا چاہا ہے۔ وہ از قسم سود ہے۔ وہ منہا کر دیا جائے۔ تو میں آیندہ ماہ سے قسطیں ادا کرنے لگوں گا۔ اس کے جواب میں انکو کہدیا۔ کہ عیب منافع ہے۔ جس کو تم سود کہتے ہو۔ یہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آپ اصل رقم ۱۳/ے قسط وار ادا کر دیں۔ مقدمہ کو طوالت دیتے دیتے مستری صاحب نے

اگست ۱۹۱۹ء سے لیکر اپریل ۱۹۲۳ء تک پہنچادیا۔ اور ۲۴ اپریل کو امور عامہ کے جواب میں لکھدیا۔ کہ کل لین دین جو میرا رہا ہے۔ اس میں جس قدر منافع لیا گیا ہے۔ وہ بقدر ساٹھ روپیہ کے ہے۔ وہ سب منہا کرو پھر میں آیندہ قسط وار بحساب عشرہ ماہوار ادا کرونگا۔ اس پر ناظر صاحب امور عامہ نے لکھا۔ کہ آپ اس ساٹھ روپیہ کو جس کا نام سود رکھتے ہیں۔ زیر غور رہنے دیں۔ اصل رقم جو آپ کی طرف ہے۔ وہ ادا کرنی شروع کریں۔ مگر وہ نہ مانے۔ تو جب سب کارکن کیا قاضی اور کیا محتسب اور کیا نظارت امور عامہ اور کیا دفتر ڈاک تنگ آگئے۔ تو اس معاملہ کو بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۲۶ اپریل ۱۹۲۳ء کو پیش کر دیا۔ حضرت صاحب نے ۴ مئی کو اس کا فیصلہ فرمایا جس سے مستری صاحب اینڈ کو کے دلوں میں نفاق شروع ہوا۔ اور آغاز ابتلاء کا زمانہ آگیا۔ حضور ایدہ اللہ بنصرہ نے جو فیصلہ فرمایا ہے۔ وہ میرا تو دل چاہتا ہے۔ کہ سارا یہاں نقل کر دوں۔ مگر عدم گنجایش اخبار مانع ہے۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی۔ تو انشاء اللہ اس کو بھی شائع کر دوں گا۔ اس وقت مستری صاحب کے متعلق جو فرمایا ہے۔ اور جو ان کے لئے رنج و غصہ کا باعث ہوا۔ اس میں سے کچھ اقتباس نقل کرتا ہوں۔ فیصلہ میں حضرت صاحب نے تحریر فرمایا۔

(۱) "مستری فضل کریم کا طریق عمل گو شروع شروع میں اس قدر قابل اعتراض نہیں معلوم ہوتا۔ مگر (بعد میں) ان کا رویہ یک لخت نہایت گندہ ہو گیا ہے۔ اور وہ اسلامی طریق کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ ان کی تحریر کا لفظ لفظ بدظنی ناواجب حیلہ اور غلط حقوق کے ادعاء سے پُر ہے اور انہوں نے مفتی کو غلط طور پر واقعات پیش کر کے فتویٰ لیا ہے۔ جو نہایت قابل اعتراض ہے"

(۲) "مستری فضل کریم کے لئے یہ بھی جائز نہ تھا۔ کہ ایک ایسا فیصلہ جسے وہ قبول کر چکے تھے۔ اس کے خلاف اس رنگ میں اپیل کرتے۔ جس رنگ میں کہ انہوں نے اپیل کی ہے۔ اس میں انہوں نے قاضی کے خلاف بلاوجہ اور بغیر اس کے کہ اس وقت تک قاضی کی طرف سے انکو کوئی اشتعال دلایا جاتا۔ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہ جو قاضی تو قاضی کسی

دوسرے شخص کی نسبت بھی انکے لئے جائز نہ ہو سکتے"۔

(۳) "روپیہ کی ادائگی کے متعلق جو طریق اونہوں نے اختیار کیا ہے۔ وہ بھی ایک حیلہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اگر فی الواقعہ ان کی نیت روپیہ ادا کرنے کی ہوتی۔ تو وہ روپیہ ادا کرنا شروع کر دیتے۔ اور اس رقم کے متعلق جسے وہ **محض اپنے ذاتی نفع کے لئے سود کے نام سے پکارتے ہیں۔** اپیل کرتے۔ اور اگر اپیل نہ بھی کرتے تو اصل رقم ادا کر کے پھر اس رقم کے دینے سے انکار کر دیتے۔ **ان کا رویہ** اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ جہاں تک ہو سکے۔ قرضہ کی ادائیگی میں دیر لگانا چاہتے تھے"۔

(۴) "میرے نزدیک جس طریق پر سٹور نے فیصلہ کیا ہے۔ وہ مشکوک تو ضرور ہے مگر اس کے حالات ایسے مبہم ہیں۔ کہ **اس کو سُود قرار دینا زیادتی ہے۔** پس میرا یہ فیصلہ ہے۔ کہ وہ رقم جو منافع کی لگائی گئی ہے۔ بوجہ اس کے کہ اس کے حالات مشکوک ہیں معاف کی جائے۔ مگر بوجہ اس کے کہ مستری صاحب نے **ادائگی رقم میں ناواجب دیر لگائی ہے۔ اور فیصلہ کے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔** اس لئے اقساط کی رقم دُگنی کی جائے۔ یعنے اپریل ۲۸ء سے وہ بیس(۲۰) روپیہ ماہوار کی قسطوں میں سٹور کا روپیہ ادا کریں"۔

ناظرین! مَیں نے اس لمبے مقدمہ کے درمیانی حالات جن سے مستریان ہشین ہیویاں کی اخلاقی حالت اور ایمانداری اور دیانت کا اچھی طرح پتہ لگ جاتا ہے چھوڑ دیئے ہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ جستہ جستہ مقامات سے واقعات کو لے کر نقل کیا ہے۔ علم النفس کے جاننے والے تو اس پر یکجائی نظر ڈالکر اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ لیکن معمولی علم و عقل کے لوگ بھی مندرجہ بالا واقعات کو پڑھ کر جان جائیں گے۔ کہ یہ مقدمہ مستری فضل کریم اور اس کی ذریّت کے لئے ٹھوکر کا باعث ہُوا ہے۔ اور اس دن سے جب کہ فیصلہ کے مندرجہ بالا اقتباسات جن کے بعض فقرات کو میں نے جلی کر دیا ہے۔ ان کی نظر سے گذرے وہ علےٰ اعقابھم لوٹنا شروع ہو گئے۔ اور یہ فیصلہ انکے لئے بدقسمتی سے موجب ابتلا بنگیا۔

خطرناک غلط بیانی

ہمعصر "الفضل" نے ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں موجودہ فتنہ کی حقیقت" کا انکشاف کرتے ہوئے جو اس مقدمہ کا ذکر کیا تھا۔ اس کے جواب

ہیں مولوی عبد الکریم صاحب خلف اکبر مستری فضل کریم نے "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" والی ضرب المثل پر عمل کر کے "فتنہ قادیان کی اصل حقیقت" کے عنوان سے جو ایک پیلا دو ورقہ اشتہار الٹا سیدھا بغیر تاریخ و نام مطبع طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ اس میں ایسی صریح غلط بیانی سے کام لیا ہے جو سوائے مستری مولوی فاضل کے جو آج عدوّ مبین کے رُوپ میں جلوہ افروز ہے۔ کسی دوسرے شخص سے جس میں رتی بھر بوئے ایمان ہو۔ ممکن نہیں آپ جھوٹ جیسی نجاست پر منہ مارتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "الفضل" نے جو ایک وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ "احمدیہ سٹور کے قرضہ کی ادائیگی کا مقدمہ دائر تھا۔ سو یہ بات ہی غلط ہے"۔ کس قدر جھوٹ ہے۔ نقل موجود ہے۔ سارا واقعہ ہم نے اوپر درج کر دیا ہے۔ مستریوں کی اصل تحریریں سب محفوظ ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ سٹور کے قرضہ کا مقدمہ تھا نہ کہ سود وغیرہ کا۔ پھر اگر وہ سود کا مقدمہ تھا۔ تو "دروغ گو را حافظہ نباشد" کے مطابق آگے چلکر یہ کیوں لکھدیا۔ کہ "دو سو روپیہ دے دیا گیا۔ اور سودی رقم کی تعیین وحساب کیلئے بار بار لکھا گیا۔ تاکہ حساب بے باق ہو جائے"۔ اس بھلے مانس کو یاد نہیں رہا۔ کہ وہ ۲۴ر اپریل ۲۲ء کی درخواست میں افسر ڈاک کو۔ اور ۲۶ر اپریل ۲۲ء کی عرضی میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں لکھ چکا ہے۔ کہ رقم منافع (جس کو اپنے نفع کے لئے سُود کہا جاتا ہے۔ اور حضرت صاحب نے جس کی بابت یہ لکھا ہے۔ کہ "اس کو سُود قرار دینا زیادتی ہے") صرف ۶۰ روپیہ ہے کیا اس رقم کی واپسی کا یہ دعویٰ کیا تھا۔ جو بے ایمانی سے اپنی پیلے دو ورقہ میں یہ دروغ بیانی کی۔ کہ سٹور کے قرضہ کا کوئی مقدمہ نہیں تھا۔ بلکہ مقدمہ سود کی بابت تھا۔ جو سٹور وصول کر چکا تھا۔ اس سے یہ دھوکہ دینا چاہا ہے۔ کہ گویا سٹور نے سود لیا تھا۔ اور مستریوں نے اس کی واپسی کا مقدمہ کیا تھا۔ نہ کہ سٹور نے اپنے کسی قرضہ کی وصولی کا ان پر دعویٰ کیا تھا۔ اور پھر اس پر بے حیائی سے یہ کہنا کہ ۲۰۰ روپیہ ادا کرنے کے بعد سُودی رقم کی تعیین کے لئے ہم نے بار بار ناظر صاحب امور عامہ کو لکھا۔ مگر توجہ نہ کی گئی۔ کس قدر دروغ گوئی ہے۔ جب کہ ۶۰ روپیہ اس رقم کے خود معیّن کر چکے تھے مستریو! جب جانیں۔ کہ آپ ایڈیٹر فاروق کو تو یہ کہیں۔ کہ "تفصیل کا علم ہوتا۔ تو اس واقعہ کو پبلک میں نہ لاتے۔ تا اظہار حقیقت پر سبکی نہ اٹھانی پڑتی"۔ پھر آپ کو پتہ لگ جائے۔ کہ ایڈیٹر فاروق نے کہاں تک آپ کی قبر کھود کر رکھی ہوئی ہے ٭

مستری عبد الکریم کی صفائی

کس ہوشیاری نہیں عیاری سے اسی دو درقہ میں لکھتے ہیں۔ کہ "عجیب بات یہ ہے۔ کہ فیصلہ جنابا سیالنصاحب نے ہمارے حق میں کیا ہے۔ اور پیش اس طور پر کیا جاتا ہے۔ کہ گویا ہمارے خلاف ہے" مستری صاحب یا مولوی صاحب! آپ "بیحیا باش ہرچہ خواہی گو" کے ماتحت جو چاہیں کہتے جائیں۔ مگر کسی صحیح الحواس شخص سے ذرا فیصلہ کے مندرجہ صدر اقتباسات کو عموماً اور جلی کردہ عبارات کو خصوصاً پڑھوا کر پھر اس کا مطلب پوچھکر بتائیں۔ کہ اس میں کیا تعریف آپ کی کی گئی ہے۔ اور آپ کے والد صاحب کے حق میں کہاں تک نیک نیتی اور دیانتداری اور ادائگی حقوق میں مستعدی کا اظہار فرمایا ہے۔ شرم کرو۔ بھلا ان حیلوں سے کہیں یہ ثابت ہونا ممکن ہے۔ کہ آپ کو اس فیصلہ سے آگ نہیں لگی۔ بلکہ ٹھنڈک پہنچی تھی۔ ابھی کیا ہے اس سے آگے دوسرا خوشنودی مزاج کا سرٹیفکیٹ ملاحظہ فرمایئے۔ اور سٹور کا بقیہ روپیہ جلد ہی دلوایئے۔ ورنہ فلور مل کو بھی قرق کرانیکے لئے تیار ہو جائے ؛

مقدمہ واپسی قیمت مشین سیویاں

فی قلوبھم مرضاً فزادھم اللہ مرضاً

سٹور کے قرضہ کا مقدمہ ابھی زیر تجویز ہی تھا۔ کہ شامت اعمال نے مستری فضل کریم صاحب کو ایک دوسرے رنگ میں گرفتار کیا۔ جس کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ کہ قریشی محمود احمد صاحب نے ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں مستری فضل کریم سے تین درجن مشین سیویاں فروخت کے واسطے منگوائیں جو ۲۳ اپریل ۱۹۲۱ء کو بھیج دیں۔ وہ مشینیں وہاں پسند نہ ہوئیں۔ اور قریشی صاحب نے مستری فضل کریم کو واپسی کے لئے لکھا۔ انہوں نے واپس لینے کو مان لیا۔ تو قریشی صاحب نے واپس کر کے بلٹی مستری صاحب کو بھیجدی۔ مستری صاحب نے مال ریلوے سے نہ منگایا۔ اسپر ڈیمارج پڑتا رہا۔ قادیان میں قریشی محمود احمد صاحب کے بھائی قریشی امیر احمد صاحب رہتے ہیں۔ ان کو معلوم ہوا۔ کہ مستری صاحب مشینوں کی قیمت تو بذریعہ وی پی وصول کر چکے

ہوئے ہیں۔ اب چونکہ روپیہ واپس کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے بٹالہ اسٹیشن سے مال نہیں چھڑاتے اور عمداً دیر لگاتے ہیں۔ قریشی امیر احمدؐ صاحب نے مستریوں سے جاکر کہا۔ کہ مجھے بلٹی دیدو۔ میں خود بٹالہ سے مال چھڑا لوں۔ تاکہ اس پر ڈیمارج نہ پڑتا رہے۔ مستریوں نے ان کو ۱۲ روپیہ نقد برائے ڈیمارج وغیرہ اور بلٹی دیدی۔ وہ بلٹی لیکر مال چھڑا لائے۔ مگر اپنے پاس اس لئے رکھ چھوڑا۔ کہ مستری صاحب قیمت کا روپیہ واپس دیکر لیں گے۔ مستری صاحب نے روپیہ تو بھلا کیا دینا تھا۔ انہوں نے ۳۰ رجنوری ۱۹۲۲ء کو امور عامہ میں قریشی امیر احمدؐ صاحب پر ایک دعویٰ دائر کردیا۔ کہ میرا مال اور ۱۵ روپیہ کا بقیہ دلوایا جائے۔ وہ درخواست فیصلہ کے لئے منشی غلام محمد صاحب پنشنر سب انسپکٹر پولیس محتسب جماعت احمدیہ قادیان کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے بعد تحقیقات وغیرہ یکم اپریل کو یہ فیصلہ کیا۔ کہ مبلغ ۱۲۵ روپیہ قیمت مشینوں کی مستری فضل کریم صاحب "دوماہ کے اندر ادا کردیں" مستری صاحب ایسے کریم النفس کہاں تھے۔ کہ لمبے عرصہ تک مقدمہ کو نہ چلائیں۔ انہوں نے ۴ر اپریل ۱۹۲۲ء کو ناظر امور عامہ کے پاس ایک درخواست دی کہ محتسب صاحب کو اسلامی قوانین سے ذرا بھی واقفیت نہیں۔ اگر ہوتی تو ایسا فیصلہ نہ کرتے" اس لئے ہم نے مفتی صاحب سے فتویٰ لیا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرماکر حسب فتویٰ مفتی فیصلہ کیا جائے حالانکہ محتسب اول نے مستری صاحب کے ناجائز عذرات کو رفع کرنے کے لئے میاں نظام الدین صاحب تاجر کو ثالث کرکے مستریوں کے عذرات کا فیصلہ مانگا۔ تو ثالث صاحب نے بھی مستری صاحب کے خلاف رپورٹ کی۔ جس کے بعد منشی غلام محمد صاحب نے دوماہ کے اندر واپسی روپیہ کی ڈگری مستریوں کے خلاف کی تھی۔ بہرحال ان کی عذرداری پر دوبارہ یہ مقدمہ دوسرے محتسب پنشنر رسالدار خداداد خاں صاحب کو دیا گیا۔ انہوں نے ۱۸ر اپریل ۱۹۲۲ء کو یہ فیصلہ کیا۔ کہ:۔

"مستری صاحب کی غفلت اور لاپرواہی سے آگے ہی مال دوماہ بٹالہ خراب ہوتا رہا اور بعد ازاں ساڑھے تین ماہ سے یہاں فضول عذرات پیش ہو رہے ہیں۔ کبھی ناجائز فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ جب فتویٰ سے پہلے

مال واپس لیا جا چکا ہے۔ تو پھر کیوں مفتی صاحب کو مغالطہ دیا جاتا ہے۔ میرے
خیال میں کوئی وجہ نہیں۔ کہ قریشی صاحب کا روپیہ مستری صاحب ایک دم
ادا نہ کریں"

(۲) "یہ شخص (مستری فضل کریم) بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی
رسید وصولی مشینوں کی فتویٰ لینے سے پہلے مدعی قریشی محمود احمد صاحب
کو پہنچ چکی ہے۔ اور اپنے بیان میں ہر جگہ غلط کہتا ہے۔ کہ کارخانہ مشین
واپس نہیں لے سکتا"

ناظرین! آپ اس مخلص احمدی لاکھوں کی جائداد اور عزیز و اقارب کو ترک کرکے
محض دین کی خاطر قادیان میں ہجرت کر کے آنے والے کی دیانت و امانت و ایمانداری کا ملاحظہ
کرتے جائیں۔ کہ دوسروں کے حقوق کو مارنے کے لئے کیا کیا حیلے اور بہانے بنا بنا کر اپنے
اخلاص کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ ان دو مختلف محتسبوں اور تیسرے ثالث کے فیصلہ پر بھی جب
رضامند نہ ہوا۔ تو پھر یہ مقدمہ ناظر صاحب امور عامہ نے محکمہ قضاء میں فیصلہ کے لئے بھیج دیا
اب وہاں کے واقعات ملاحظہ فرمائیے۔ کہ کیا پیش آتے ہیں۔

محکمہ قضاء اور مستریونکی اداء

مقدمہ سٹور کا آخری فیصلہ دربار خلافت سے ۴ مئی ۱۹۲۲ء کو ہو چکا ہے۔ جس
کا مختصر واقعہ اوپر درج ہے۔ اب ۱۲ مئی ۱۹۲۲ء کو یہ مشینوں کی واپسی قیمت کا مقدمہ قضاء
میں پیش ہو کر ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء کو فیصلہ ہوا۔ کہ مستری فضل کریم صاحب ۳ر فی مشین بابت
مرمت کاٹ کر باقی روپیہ آج سے تین ماہ میں مدعی کو ادا کر دیں۔ مستری فضل کریم اینڈ سنز کی
فطرت سلیمہ کا یہ تقاضا ہی نہیں۔ کہ کسی فیصلہ کو تسلیم کرے۔ اپنی عادت مستمرہ کے مطابق مستری
صاحب نے ۲۷ مئی کو اس فیصلہ کا بھی اس بنا پر اپیل کر دیا۔ کہ اجرت مرمت فی مشین ہم
نے ۸ر مانگے تھے۔ قاضی صاحب نے ۳ر کر دیئے۔ یہ منظور نہیں۔ اور ہم نے ۶ ماہ کی مہلت

ادائیگی روپیہ کے لئے چاہی تھی۔ قاضی صاحب نے ۳ ماہ کی کر دی ہے۔ جو ٹھیک نہیں۔ یہ اپیل قضاء کے بنچ میں پیش ہوئی۔ اور میر محمد اسحاق صاحب مولوی فاضل اور ان مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منشی فاضل و مولوی فاضل نے جن سے مستریوں نے غلط واقعات کی بنا پر ناجائز فتویٰ لیا تھا۔ ملکر ۱۰ر جولائی ۲۲ء کو فیصلہ کیا۔ کہ :۔

"ہم مولوی فضل الدین صاحب قاضی کے فیصلہ کو برقرار رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ مقدمہ کی وجہ سے دن زیادہ گذر گئے ہیں۔ اس لئے ہم یہ بھی فیصلہ کرتے ہیں۔ کہ مستری صاحب فی الفور مدعی کو رقم ادا کردیں"

ناظرین! کیا آپ یہ امید کرتے ہیں۔ کہ اب تو مستری صاحب راہ راست پر آ گئے ہونگے۔ اور آئیندہ چون و چرانہ کرینگے۔ مگر یہ امید مستری فضل کریم اینڈ سنز سے آپ کبھی نہ رکھیں۔ وہ ماننے والی اسامی نہیں۔ ایک ہفتہ کی میعاد اپیل کے لئے دی گئی۔ جو یوم اطلاع سے ۲۰ر جولائی ۱۹۲۲ء کو ختم ہو گئی۔ مگر ابھی تک مستری صاحب سوچ رہے ہیں۔ کہ اب کیا کریں۔ اس طرف فوراً ادائیگی روپیہ کا مطالبہ ہونے لگا۔ جس کو ٹلاتے ٹلاتے ۱۰ر اکتوبر ۲۲ء تک پہنچا دیا۔ اور بعد انقضاء میعاد ۱۰ر اکتوبر کو ایک اپیل لکھکر بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ پیش کر دی۔ جس کا فیصلہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو حضور نے یہ فرمایا۔ کہ "مرمت مشین کی اُجرت ۳ر کا فیصلہ صرف ایک شہادت پر کیا جانا درست نہیں۔ اس لئے میں مثل کو دوبارہ مولوی فضل دین صاحب قاضی کے پاس جنہوں نے ابتدائی فیصلہ کیا تھا۔ بھیجتا ہوں۔ کہ وہ دونوں فریق کو بلوا کر از سر نو اس نقصان کے متعلق تحقیق کرکے فیصلہ کریں۔ اور مستری صاحب کے متعلق فیصلہ میں فرمایا۔ کہ :۔

(۱) "میں مستری فضل کریم صاحب کے اس ناواجب رویہ پر افسوس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جسے وہ ہر ایک جھگڑے کے متعلق جو کسی دوسرے سے ہوا ہے۔ اور میرے تک پہنچا ہے اختیار کئے ہوئے ہیں"

(۲) "وہ مقدمہ کی تحقیق کو دوسروں کے حقوق کے تلف کرنے کا ایک ذریعہ بناتے ہیں۔ اگر وہ اس قدر رقم جو وہ خود تسلیم کریں۔ دوسرے فریق کو ادا کردیں

تو اس صورت میں سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ وہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نہ کہ دوسروں کے حقوق کو تلف کرنا چاہتے ہیں"۔

(۳) "میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہر ایک جھگڑے میں ان کا رویہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اول تو وہ اپنی حالت کو پیش کر کے قسطوں کے مقرر کرنے کا سوال کرتے ہیں۔ اور پھر اگر عدالت ان کے ساتھ نیک سلوک کر کے قسطیں مقرر کرتی ہے۔ تو خواہ کتنی ہی قلیل رقم کے متعلق اختلاف رہ جائے۔ وہ تسلیم شدہ رقم کے ادا کرنے کا بھی نام نہیں لیتے۔ اور جب آخری فیصلہ ہونے لگے۔ تو پھر یہی سوال کر دیتے ہیں۔ کہ میں اب اکٹھا نہیں ادا کر سکتا۔ یہ ان کا رویہ نہایت ناواجب اور اخلاق اور شریعت کے خلاف ہے۔ میں اس دفعہ ان سے رعایت کر کے تین ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ کہ اس قدر رقم جس کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ قریشی محمود احمد صاحب یا ان کے وکیل (قریشی امیر احمد) کو ادا کر دیں"۔

(۴) "آیندہ کے لئے میں ان کی ذات کے متعلق یہ فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ اگر ان کا کوئی مقدمہ پیش ہو۔ تو عدالت مرافعہ ان کی اپیل قبول نہ کرے۔ جب تک وہ مدت اپیل کے اندر اس حق کو ادا نہ کرنے لگ جائیں۔ جس کے بارے میں ان کا فریق مخالف سے کوئی اختلاف نہیں"۔

حضرت صاحب کے فیصلہ کو پڑھ کر وہ دل بیمار جو اسی سال ۲۸ رٹی کے سٹور والے فیصلہ میں اپنی حقیقت سنکر ناخوش ہو چکا ہے۔ اس کے لئے یہ ۱۹ اکتوبر ۲۲ء کا فیصلہ اور بھی ترقی مرض کا باعث ہو گیا۔ جس کا اندازہ اس کے آیندہ کے طرز عمل سے ہو رہا ہے۔ کہ بجائے اسکے کہ اب وہ روپیہ ادا کریں۔ اس کے بیٹے عبدالکریم نے حضرت صاحب کے اس فیصلہ کی تعمیل میں کہ "تین ماہ میں وہ مدعی کو اس قدر رقم جس کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ ادا کر دیں"۔ ۱۶ ردسمبر ۲۲ء کو مطالبہ روپیہ کے جواب میں یہ لکھ دیا۔ کہ:۔

"ابھی تک ان مشینوں کی مرمت ہی نہیں ہوئی۔ فروخت ہونا تو درکنار۔ اور ابھی ۳ ماہ کی معیاد بھی ختم نہیں ہوئی۔ اس لئے آپ مطالبہ نہیں فرما سکتے"۔

چونکہ مستری فضل کریم نے اس مقدمہ میں اپنے بیٹے عبدالکریم کو پیروی کے لئے مختار مقرر کرایا تھا۔ جس نے حسب مثل مشہور "بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ" باپ سے بڑھ چڑھ کر اطاعت و فرمانبرداری و تقویٰ کا یہ نمونہ دکھایا۔ کہ جو مثل حضرت صاحب نے قاضی صاحب عدالت اولیٰ کے پاس ۳۰ اجرت مرمت مشین وغیرہ کے فیصلہ کے لئے دوبارہ بھیجی تھی۔ اس کا فیصلہ ۹ دسمبر ۱۹۲۲ء کو قاضی صاحب نے بعد تحقیق یہ کیا۔ کہ مولوی محمد عامل صاحب رنگساز کو رنگ کرنے کے لئے وہ سب مشینیں باجرت ۲۰ فی مشین دی جائیں۔ جن کو محمد عامل صاحب نے منظور کر لیا تھا۔ جب رنگائی کے لئے محمد عامل صاحب کو مشینیں دینے کو مستری صاحب سے کہا۔ تو "خوئے بد را بہانہ ہا بسیار" کے مطابق مستری عبدالکریم نے یہ عذر کر دیا۔ کہ میں مشینوں کو معہ تمام سامان متعلقہ کے دوں گا۔ محمد عامل صاحب جب رنگائی کریں۔ تو خود ہر ایک مشین کے پرزے وغیرہ علیحدہ نکال لیں۔ اور پھر رنگائی کر کے تمام پرزے اسی طرح جوڑ کر دیں"۔ اس حجت ناروا کا یہ فیصلہ کیا۔ کہ مشین کے وہ حصے جو رنگائی کرنے ہیں۔ دیدیں رنگساز جوڑنے توڑنے کا کام نہیں کریگا۔ صرف رنگائی کر دیگا۔ اس پر مستری عبدالکریم ابن فضل کریم نے یہ بات نکالی۔ کہ "جڑوائی کا کام ہمیں کرنا ہوگا تو ہم چار روپیہ روزانہ کے حساب سے اُجرت لیں گے"۔ ترتیبی امیر محمد صاحب مختار مدعی نے کہا کہ حضرت صاحب نے صرف رنگائی کا فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہم رنگائی کی اُجرت دیں۔ اور ابتداء سے مستری صاحب بھی اتنا ہی مطالبہ کرتے تھے۔ یہ اجرت جڑائی کا نیا ڈھکوسلہ ہے۔ جو مجھے منظور نہیں۔ اس پر یہ مثل پھر حضرت صاحب کے حضور بھیجی گئی۔ کہ اگر جڑوائی کی اُجرت کا بھی فیصلہ کرنا ہے۔ تو اس کے متعلق ہدایت فرمائی جاوے کہ کیا کیا جائے۔ ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء کو جب مثل حضرت صاحب کے حضور پیش ہوئی۔ تو حضور نے اس پر یہ حکم دیا۔ کہ :۔

"ہم کوئی عذر نہیں سن سکتے۔ جب تک کہ مستری فضل کریم تسلیم شدہ رقم کو ادا نہ کر دیں۔ اس کے بعد بھی جرمانہ ادا کرنے پر سختی جائیگی (کیونکہ بعد انقضاء میعاد وہ اپیل کرتے ہیں) میرے فیصلہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں۔ کہ جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ متنازعہ رقم کو کاٹ کر مستری صاحب بقیہ رقم ادا کر دیں۔ اگر وہ رقم ادا نہ کریں۔ تو قرتیبی صاحب عدالت دیوانی میں دعویٰ کر کے لیں"۔

ناظرین آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ۱۹ ر اکتوبر ۲۲ء کو حضرت صاحب نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ کہ مستری فضل کریم "تین ماہ میں اس قدر رقم جس کو وہ خود تسلیم کرتے ہیں۔ قریشی محمود احمد صاحب کو ادا کردیں" یہ میعاد ۱۹ر جنوری یا غایت ۳۱ر جنوری ۱۹۲۳ء کو کامل طور پر ختم ہو چکی۔ اوران مخلصین مستریوں نے مطلق پروا نہیں کی۔ اور مندرجہ بالا۔ ار فروری ۲۳ء والے حکم کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور ایک پیسہ تک ادا نہیں کیا۔ بے جا عذرات اور ناواجب حیلہ جات کرتے کراتے حضرت صاحب کو بار بار رقعے لکھکر تنگ کردیا۔ تو بالآخر حضرت صاحب نے مجبور ہوکر ۱۰ ر اپریل ۲۳ء کو فضل کریم کے نام یہ حکم بھیجا۔ کہ آپ نے میرے فیصلہ کے مطابق چونکہ ابھی تک قریشی صاحب کا روپیہ ادا نہیں کیا۔ اس لئے

"آپ ایک ایسے شخص کو اپنی طرف سے پیش کریں۔ جو آپ کا کوئی قریبی اور رشتہ دار نہ ہو۔ اور ایسا ہی قریشی صاحب اپنی طرف سے ایک شخص مقرر کردیں۔ اور ایک شخص کو ہم مقرر کردینگے۔ اور آپ کے مقدمہ کے تمام کاغذات ان تینوں شخصوں کے سامنے رکھ دینگے۔ پھر وہ فیصلہ کریں۔ اس کی تعمیل ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نے اس پر بھی فیصلہ کو تسلیم نہ کیا۔ تو ہم مجبور ہوں گے۔ کہ کوئی اصلاح کی تجویز کریں۔ یا آپ کو جماعت سے خارج کردیں۔ دو دن کے اندر اندر آپ کسی ایک شخص کو مقرر کرکے مجھے اطلاع دیں۔ اگر دو دن کے اندر اندر آپ نے ایسا نہ کیا۔ تو سمجھا جائیگا۔ کہ آپ فیصلہ نہیں کروانا چاہتے"

ناظرین آپ غور فرمالیں۔ کہ ان مستریوں کی فطرت سلیمہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ کہ کسی فیصلہ پر وہ سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اور اس فیصلہ کو بھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے بار بار فرمایا۔ جن کے ہاتھ پر یہ بیعت کرچکے ہیں۔ ماننے پر طیار نہیں ہوتے۔ اور طرفہ یہ کہ ۱۶ر اپریل کے خط میں اپنے آپ کو نہایت مخلص احمدی اور حضرت خلیفۃ المسیح کا فرمانبردار اور بڑا ایماندار ظاہر کرتے ہوئے نظام سلسلہ کے متعلق مستری عبدالکریم حضرت صاحب کو لکھتے ہیں۔ کہ:۔

(۱) "دریں کسی شخص کے اخلاص۔ ایمان قلبی حالت کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ مگر میں یہ

کہوں گا۔ کہ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اللہ نے ہم کو اس قدر ایمان دیا ہے کہ جس کی وجہ سے ہم ثابت قدم رہے ہیں۔ (ماشاء اللہ اس ثابت قدمی کی کوئی حد ہے۔ فاروق) اور اگر حضور کا دربار نہ ہو تو نامعلوم کہ یہ لوگ غریب لوگوں سے کیا سلوک کریں"۔

(۲) "حضور! جو کچھ بھی والد صاحب نے بعض رقعہ جات میں سختی کی ہے۔ اگرچہ یہ اُن کی غلطی ہے (جس کو خود جناب مستری عبدالکریم صاحب ہی لکھتے رہے ہیں۔ نہ کہ آپ کے والد صاحب جو اَن پڑھ ہیں۔ اور آپ کے دست نگر۔ فاروق) مگر یہ ہمارے افسروں کے بعض سلوکوں کی وجہ سے ہوئی ہے"۔ (کہ انہوں نے ہماری منشاء کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ اور واقعات کی رُو سے کیا ہے۔ فاروق)۔

(۳) "میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ جو آدمی حضور کے حکم کی نافرمانی کرے۔ وہ کہاں احمدی رہے۔ خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیادی۔ دنیاوی خسارہ ہو یا نفع (اسی لئے تو آپ نے دوسروں کے حقوق مارنے کے لئے خود تسلیم کردہ رقوم دادنی کو فوراً بغیر کسی عذر و حیلہ کے ادا کر کے دکھا دیا۔ کہ آپ سچے احمدی ہیں۔ اور ہر ایک حکم کے ماننے کے لئے تیار اور دنیاوی و دینی خسارہ کا مطلق خیال تک نہیں رکھتے۔ فاروق) ہم نے اپنی جانیں بیچیں۔ اور چند پیسوں کا حکم نہ مانیں حیف ہے ایسی احمدیت پر۔ اظہار کرنا تو عُجب میں داخل ہے۔ مگر ہمیں اگر جان دینی پڑے تو دینگے"۔

(۴) "حضور نے آدمی پیش کرنے کو فرمایا ہے (کہ ہم ایک آدمی بطور ثالث پیش کریں) میں اس کو سخت گستاخی خیال کرتا ہوں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ ماننا ہے۔ کہ حضور کا فیصلہ نامنظور اور دوسرے کو حَکَم بناتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ایک گستاخی ہے۔ اور ایک احمدی کی شان سے بعید ہے"۔

(۵) "میں یہ نہیں کہتا۔ کہ والد صاحب (مفضل کریم) جو کچھ کرتے رہے ہیں ضرور درست

درست ہے۔ مگر اتنا کہوں گا۔ کہ بعض دوستوں نے بہت ہی بُرا سلوک کیا۔ (کہ ہم سے روپیہ مانگتے ہیں۔ اور فیصلہ کنندگان بھی روپیہ ادا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ فاروق) میرا ارادہ ہے۔ کہ اس مقدمہ کے فیصلہ کے بعد بعض باتوں کو عرض کروں۔ کیونکہ خدا نے ہم کو ایسا خلیفہ دیا ہے کہ غریب سے غریب اپنی بات کہہ سکتا ہے"

(۹) "اب معاملہ حضور کے آگے ہے (گویا اس سے پہلے تو حضور کے آگے یہ معاملہ گیا نہیں۔ اور نہ حضور نے اس پر غور فرما کر کوئی فیصلہ فرمایا ہے۔ آج پہلی مرتبہ ہی یہ معاملہ حضور کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ فاروق) حالات کی تحقیقات فرمالیں۔ جو فیصلہ صادر ہو تعمیل ہو گی (اگلے فیصلہ تو سب نامنظور ہیں۔ از سر نو پھر فیصلہ فرما دیں۔ فاروق) جو حکم فرمائیں بسرو چشم منظور ہم نے کسی فیصلہ کی تعمیل میں پیشتر ازیں گریز نہیں کیا"

اس خط کو ملاحظہ فرما کر حضرت صاحب نے مستری فضل کریم اینڈ سنز کی متواتر نافرمانیوں اور حیلہ جوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حکم اپنی قلم مبارک سے ۴ ۲ر جون ۲۳ء کو تحریر فرمایا۔ کہ :-

"کہ میں مستری فضل کریم صاحب کا کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں میری بات کے ماننے کا جو وقت تھا۔ وہ گذر چکا۔ اب میں اس وقت ہی معاف کروں گا۔ جب (مستریوں کو) اس امر کا احساس اچھی طرح پیدا ہو جائیگا۔ کہ فیصلہ کے متعلق حیلہ جوئی کرنا ایک قبیح فعل ہے"

حضرت ایدہ اللہ بنصرہ کے اس حکم کو سن کر مستری اس عالی مقام کے قریب پہنچ گئے۔ جس پر وہ آج کل گامزن ہیں۔ مگر عدالت سرکاری کے خوف سے کہ کہیں حسب اجازت حضرت صاحب قریشی امیر احمد صاحب دیوانی میں نالش نہ کر دیں۔ مبلغ ؎ کی ڈگری میں سے صرف یک صد روپیہ نقد بمشکل ادا کیا۔ اور وہ بھی بجائے جنوری ۲۳ء میں ادا کرنے کے جون ۲۳ء میں کیا۔ مگر حضرت صاحب کا کوئی فیصلہ نہ مانا ؛

یہ اس مقدمہ کے درمیان میں دو اور مقدمے جناب مستری فضل کریم صاحب کے ہوئے جو انہی مشینوں کے تنازعہ سے متعلق ہیں۔ ان کا بھی مختصر ذکر سن لیں ۔

دھوکہ دہی کا مقدمہ

واپسی قیمت مشین سیویاں اور لڑائی کا مقدمہ مستری صاحب کی مہربانی سے باوجود فیصلہ ہو جانے کے ابھی زیر تجویز ہی تھا جس کے آثار ان کو اپنے خلاف فیصلہ ہونے کے باعث پیش نظر تھے۔ کہ آپ کے فرزند گرامی مستری عبدالکریم نے ۸ ۲ رمئی سنہ ۲۲ کو قضاء میں قریشی امیر احمد صاحب پر دھوکہ دہی کا مقدمہ داغ دیا۔ جس میں استغاثہ کیا۔ کہ "امیر احمد قریشی نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی کی ہے۔ کہ ہمارا پارسل مشین سیویاں جو ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے واپس آیا تھا چھڑا کر اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ جس کا مقدمہ کر کے ہم نے ان سے وصول کیا۔ ان کی اس دھوکہ دہی سے یہ نقصان ہوا۔ کہ مقدمہ کرنے میں ہمارا وقت ضائع ہوا۔ ہمارا دل جلا۔ لڑائی ہوئی۔ درخواست ہے کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے۔" ۲۷ رجون سنہ ۱۹۲۲ کو قضا سے مقدمہ بعدم ثبوت خارج ہو گیا۔ اور فیصلہ یہ لکھا۔ کہ :۔

"قریشی امیر احمد صاحب کی طرف سے اس معاملہ میں جو کارروائی ہوئی ہے کسی دھوکہ دہی کی غرض سے نہیں ہوئی۔ صرف روپیہ (قیمت مشینوں) کی وصولی مدنظر تھی۔ اگر اس طرح دھوکہ دہی کے مقدمات ہونے لگیں۔ تو ممکن ہے کل قریشی محمود احمد صاحب بھی ایک دھوکہ دہی کا دعویٰ بھیج دیں۔ کہ مجھ سے مستری فضل کریم نے مشینیں واپس لینی منظور کیں۔ اور واپس منگوا کر یہ دھوکہ کیا ہے۔ کہ قیمت کا روپیہ واپس نہیں دیا) اس لئے میں اس دعویٰ کو خارج کرتا ہوں۔"

یہ فیصلہ مستریوں کیلئے مزید رنج کا موجب ہو گیا۔ اور لڑائی والا مقدمہ بھی مستریوں کے خلاف فیصلہ ہوا جس کے مختصر واقعات یہ ہیں :۔

لڑائی کا مقدمہ

مستری فضل کریم اور قریشی امیر احمد صاحب کا واپس آمدہ مشین سیویاں کی رسید [illegible] پر تکرار

ہوا۔ مستری نے قریشی صاحب کو گلے سے پکڑ لیا۔ اور سخت گالیاں اور ہتک کی۔ قریشی صاحب نے ۵ مارچ ۱۹۲۲ء کو مستری فضل کریم پر ہتک کا دعوی کیا۔ منشی غلام محمد صاحب محتسب کو تحقیقات کے لئے مقرر کیا۔ محتسب صاحب نے بعد تحقیقات و تحریر شہادت و بیانات فریقین ۲۵ اپریل ۱۹۲۲ء کو ناظر صاحب امور عامہ کی خدمت میں رپورٹ کی۔ کہ:۔

"مستری فضل کریم نے امیر احمد کو گلے سے دبایا اور گالیاں نکالیں۔ جس کی تصدیق مولوی سرور شاہ صاحب اور جان محمد پوسٹ مین کے تحریری بیان سے ہوتی ہے۔ مستری فضل کریم نے اپنا تحریری بیان بھیجدیا ہے۔ حاضر آنے سے انکاری رہے ہیں۔ ان کے بیان میں بھی ان کو گلا پکڑنے کا اقرار ہے۔ علاوہ ازیں مستری فضل کریم صاحب کی ایسی شکایت عموماً ہو رہی ہے۔ اور ان کی درشت کلامی اور لڑائی جھگڑا کی عام شکایت ہے۔ میری رائے میں مستری فضل کریم کو علاوہ معافی مانگنے کے بیس روپیہ جرمانہ کی سزا بھی ہونی چاہیئے۔ تاکہ آئیندہ کے لئے ان کو عبرت حاصل ہو۔"

خانصاحب ذوالفقار علی خاں ناظر امور عامہ نے اس پر حکم لکھا۔ کہ "پہلے مستری صاحب کو معافی کے لئے کہا جائے۔ کہ وہ آپ کے سامنے معافی مانگیں۔ نہ تعمیل کریں۔ تو رپورٹ دیجئے۔ پھر سزا کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائیگا۔" اس فیصلہ کے ماتحت مستری فضل کریم کو معافی مانگنے کے لئے کہا گیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اور یہ عذر کیا۔ کہ قریشی امیر احمد مدعی قسم کھاوے۔ کہ میں نے اس کا گلا بلا وجہ پکڑا ہے۔ اس پر ناظر صاحب امور عامہ نے حضرت صاحب کے حضور علاوہ معافی کے مستریوں پر دس روپیہ جرمانہ کرنے کی بھی رپورٹ کی۔ جس پر حضرت صاحب نے ۴ مئی ۱۹۲۲ء کو یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ:۔

"مستری فضل کریم صاحب چونکہ خود اقراری ہیں۔ کہ انہوں نے امیر احمد صاحب کا گلا پکڑا اس لئے ان سے مزید دریافت کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ قادیان میں رہکر گواہی وغیرہ کے موٹے مسائل تک سے واقف نہیں۔ قسم مدعا علیہ پر ہوتی ہے۔ اور وہ بھی جب گواہ نہ ہوں۔ پس میاں امیر احمد صاحب کو قسم نہیں دی جاسکتی۔ ان کے گواہ موجود ہیں۔ اور اگر گواہ نہ بھی ہوں۔ تو خود مستری صاحب اقرار کرتے ہیں۔ اس

لئے شرعاً یا تو وہ امیر احمد صاحب قریشی سے معافی مانگے کر ان کو نوٹس کریں۔ ورنہ شرعی سزا کے لئے تیار ہوں گا"

مستری فضل کریم کو اس فیصلہ کی اطلاع دی گئی۔ تو اس کے بیٹے مستری عبدالکریم نے ۱۳ مئی ۲۲ء کو حضرت صاحب کے فیصلہ پر نظر ثانی کی ایک لمبی درخواست دی۔ جس میں حضرت صاحب کو پہلے یہ لکھا۔ کہ "میں رسید چاہتا ہوں۔ کہ حضور نے یہ رقعہ بتمامہ ملاحظہ فرمالیا ہے" اس احمقانہ اور گستاخانہ مطالبہ کے بعد آگے چلکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کو سبق پڑھاتا ہے۔ کہ "یہ بات درست ہے۔ کہ حلف (قسم) بوجہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کے مدعا علیہ کو دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ مدعا علیہ مُقِر ہے۔ کہ اس نے گلا پکڑا۔ مگر مدعا علیہ کا جواب دعویٰ یہ ہے۔ کہ پہلے قریشی صاحب مدعی نے مجھ کو گرانے کی کوشش کی۔ اور حملہ کیا۔ جس کا قریشی صاحب کو انکار ہے۔ اس لئے ان کو قسم دلائی جاسکتی ہے۔ نیز بجائے گلا پکڑنے کے گواہ پیش کرنے کے قریشی صاحب مدعی یہ گواہ پیش کریں۔ کہ انہوں نے اوّل حملہ نہیں کیا۔ میں ایسے گواہ پیش کرتا ہوں جو قریشی صاحب کی زیادتی تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ اس قسم کے گواہ میرے پاس ہیں۔ جن کو میں پیش کر سکتا ہوں۔ یہ گواہ بتلاتے ہیں۔ کہ میں مظلوم تھا۔ مجھے رونا آتا ہے۔ کہ ایک تو میں مظلوم ہوں۔ اور مجھ پر ہی ڈگری بھی۔ اس رُلا دینے والے واقعہ نے مجبور کیا۔ کہ میں بھی گواہوں کے نام پیش کردوں۔ اگر میں حضور تک یہ معاملہ نہ پہنچاؤں۔ تو اس کا بہت بڑا اثر بندہ پر پڑے گا"

پھر ۲۴ مئی کو ایک لمبی درخواست بوساطت افسر ڈاک حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی اور اس میں نہایت متکبرانہ اور گستاخانہ لہجہ اختیار کر کے پھر لکھتا ہے۔ کہ:۔

(۱) "میں نے کوئی گواہی محتسب کے سامنے پیش نہیں کی۔ میں نے تو امیر احمد مدعی کو قسم دلانے کے لئے کہا تھا۔ اب اگر فرما دیں۔ تو اپنے گواہ پیش کر سکتا ہوں"

(۲) "محتسب نے میرے متعلق یہ تحریر کر کے۔ کہ "میری سخت کلامی اور لڑائی جھگڑے کی عام شکایت ہو رہی ہے" میری عزت پر حملہ کیا ہے۔ میں نے ان الفاظ پر نوٹس لیا ہے۔ (کیونکہ آپ محتسب کے افسر اعلےٰ تھے۔ تبھی تو نوٹس لیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ فاروق) اور امور عامہ میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ اور درخواست کی ہے۔ کہ ایسے شخص

کو عبرتناک سزا دی جاوے۔

(۳) میری بات کو سنتے نہیں۔ اور کہتے چلے جاتے ہیں۔ کہ معافی مانگو معافی مانگو کیا وجہ ہے معافی مانگنے کی۔ (یہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کے اس فیصلہ کی تعمیل میں جواب دیا جاتا ہے۔ جو حضور نے ۴ رمئی ۲۲ء کو فرمایا تھا۔ کہ مستری فضل کریم امیر احمد صاحب سے معافی مانگیں۔ اور ان کو خوش کریں۔ ورنہ شرعی سزاء کے لئے تیار ہو جائیں۔ فاروق) میرا کوئی قصور نہیں۔ کہ معافی مانگوں۔

(۴) ایک آدمی جو کہ دلائل قاطعہ رکھتا ہے۔ اپنے دعوٰی کی سچائی کے۔ کیا وجہ ہے کہ معافی مانگے۔ اس کو واقعی انکار کرنا چاہیئے"!

اس قدر حیلے اور نافرمانیاں اور تمرد کر کے عبدالکریم معہ اپنے باپ فضل کریم کے حضرت صاحب کے فیصلہ کے مطابق جون ۲۲ء تک کسی حکم کی تعمیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور بار بار یہ کہا۔ کہ میں معافی کیوں مانگوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ میری بے قصوری کے گواہ موجود ہیں۔ جن سے میری مظلومیت ثابت ہوتی ہے۔ گو وہ گواہ ابتدائی عدالت میں میں نے پیش نہیں کئے۔ اب ضرور لئے جائیں۔ اسی طرح حضرت صاحب کو برابر لکھتا رہا۔ تو حضرت صاحب نے ۱۰ رجون ۲۲ء کو اس کی ان تمام درخواستوں پر یہ حکم صادر فرمایا۔ کہ:-

"بہرحال یہ ثابت ہے۔ کہ شکایت فریق مخالف (امیر احمد) نے کی اور آپ نے نہیں کی۔ امیر احمد کے مقدمہ کے فیصلہ کے بعد آپ نے یہ بات اٹھائی۔ کہ آپ کے بھی گواہ موجود ہیں۔ اور یہ کہ آپ پر سختی کی گئی۔ محتسب کے کہنے پر بھی آپ نے توجہ اپیل وغیرہ کی نہیں کی۔ اس لئے میں فیصلہ کو بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر آپ دو روپیہ جرمانہ ادا کریں۔ تو یہ (معافی والا) فیصلہ ملتوی ہو سکتا ہے۔ اس وقت تک کہ آپ محکمہ قضاء میں امیر احمد صاحب کے خلاف مقدمہ کر کے اپنے بیان کو ثابت نہ کر سکیں۔ اگر اس فیصلہ کے سننے کے بعد آپ ہفتہ کے اندر اندر مقدمہ قضاء میں دائر کر دیں۔ اور دو روپیہ بطور تاوان دفتر امور عامہ میں ادا کر دیں۔ تو پھر اس فیصلہ (معافی) کو محکمہ قضاء کے فیصلہ تک ملتوی کر دیا جائیگا"۔

دیکھئے فضل کریم کی بیہودہ درخواستوں پر حضرت صاحب نے یہ کیسا رحیمانہ حکم صادر فرمایا۔ کہ "جس وقت قریشی امیر احمدؐ صاحب نے تم پر ہتک کا دعویٰ کیا تھا۔ اس وقت تمہارا فرض تھا۔ کہ اپنی صفائی کی شہادت پیش کرتے۔ اور گواہوں کے بیانات سے ثابت کر دیتے کہ دراصل امیر احمدؐ صاحب نے اوّل حملہ کیا۔ تو اپنے بچاؤ کے لئے میں نے ان کو گلا پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔ چونکہ اس موقعہ پر جہاں آپ کا حق تھا۔ آپ نے کوئی اپنا ثبوت نہیں دیا۔ نہ گواہ دیئے۔ اور خود مانتے ہو۔ کہ میں نے عدالت ابتدائی میں کوئی گواہ پیش نہیں کیا۔ یہ مانتے ہوئے مدعی کو خلاف شریعت قسم دینا چاہتے ہو۔ جو جائز نہ تھی۔ کیونکہ مدعی اپنا ثبوت شہادت سے دے چکا تھا۔ اور اس پر قسم واجب نہ تھی۔ اب اس مقدمہ کے فیصلہ کے بعد تم گواہیاں پیش کرنا چاہتے ہو۔ جو مشتے بعد از جنگ کی مصداق ہیں۔ اس لئے اگرچہ آپ کو "بر کلہ خود باید زد" کا حکم ہونا چاہیئے۔ تاہم یہ رعایت دیجاتی ہے۔ کہ آٹھ دن کے اندر اندر پہلے آپ دو روپیہ تاوان اس امر کا ادا کریں۔ کہ آپنے کیوں قاعدہ مقررہ کے ماتحت میعاد کے اندر اپیل نہ کی۔ اس کے بعد آپ قضاء میں مقدمہ دائر کریں۔ کہ امیر احمدؐ صاحب قریشی نے مجھے جھٹکا مارا۔ لات پکڑی۔ گرانا چاہا میری ہتک کی۔ بعد میں اپنے بچاؤ کے لئے میں نے اس کو گلے سے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔ اور وہاں اپنے جدید گواہ پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دیں۔ تو یہ معافی والا مقدمہ اس وقت تک ملتوی رہے گا۔ ورنہ میں معافی مانگنے والا فیصلہ بدلنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ اب اس رعایت اور رحم سے فائدہ اٹھانے کے لئے مستری اینڈ کو کو فوراً آگے بڑھنا چاہیئے تھا۔ اور ۸ دن کیا آٹھ گھنٹہ کے اندر اندر واجب تھا۔ کہ اپنا وہ دعویٰ جس کے متعلق نہایت وثوق سے ۲۲ رمئی ۱۹۲۲ء کے خط اسی جنتری افسر ڈاک میں لکھا تھا۔ کہ:۔

"ہم اپنے دعویٰ کی سچائی کے بیّن ثبوت اور دلائل قاطعہ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں معافی مانگیں"؛ قضاء میں پیش کر دیتے۔ مگر وائے برحال مستریاں کہ ۸ دن کیا ۸ ہفتے بلکہ ۸ مہینے تک بھی انہوں نے حضرت صاحب کے اس حکم کی مطلق پروا نہ کی۔ بالآخر ناظر

صاحب امور عامہ نے کامل ایک ماہ کے انتظار کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی ۔کہ مستری فضل کریم نے آج ۱۹ ر جولائی ۲۲ء تک

"نہ تو دو روپیہ تاوان داخل کیا ہے ۔ اور نہ محکمہ قضاء میں مقدمہ دائر ہوا ہے ۔ ایک ماہ گذر چکا ہے ۔ اب اس کے متعلق کیا کارروائی کی جائے"

اس رپورٹ سے کامل دو ماہ بعد تک مستریوں کو مختلف طور پر سمجھایا گیا ۔کہ وہ اب فیصلہ جات سابقہ کی تعمیل کریں ۔سٹور کی رقم ادا کریں ۔قریشی امیر احمد صاحب کو مشینوں کی قیمت بھی حسب فیصلہ دیں ۔ان سے معافی مانگیں ۔ مگر انہوں نے نہ مانا ۔ تو پھر یہ رپورٹ ۱۸ ر ستمبر ۲۲ء کو حضرت صاحب کو دی گئی ۔اس پر حضرت صاحب نے حکم دیا ۔کہ ان کو بذریعہ ڈاک جوابی رجسٹری کرا کر نوٹس دیا جائے ۔تو حسب ذیل نوٹس ۲۳ ر ستمبر کو انہیں بھیجا گیا ۔کہ :۔

"قریشی امیر احمد صاحب اور آپ کے دو مقدمات کے جو فیصلے ہو چکے ہیں ۔نیز سٹور کا مقدمہ بھی ۔آپ نے ابھی تک فیصلہ جات کی تعمیل نہیں کی ۔چونکہ بار بار آپ کو توجہ دلائی جا چکی ہے ۔اس لئے حضرت اقدس فرماتے ہیں ۔اگر آپ نے آٹھ دن کے اندر اندر ان فیصلوں کی تعمیل نہ کی ۔ تو ہم یہ اعلان کر دینگے ۔کہ آپ کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں ۔کوئی احمدی آپ سے تعلق نہ رکھے ۔ ۲ ر اکتوبر تک انتظار کیا جائے گا ۔اور اس کے بعد اعلان کر دیا جائیگا" (۲۳ ستمبر ۲۲ء)

نوٹس مذکورہ ۲۴ ر ستمبر کو ڈاک کے ذریعہ ان کو پہنچا ۔جس کی کوئی تعمیل انہوں نے نہیں کی ۔ نہ سٹور کے روپیہ کی کوئی قسط ادا کی ۔اور نہ مشینوں کا روپیہ ادا کیا نہ دو روپیہ جرمانہ دیا ۔ البتہ بہت لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر کہیں ۱۹ ر اکتوبر ۲۲ء کو قریشی صاحب سے معافی مانگی ۔ وہ بھی شرعی سزا کے خوف سے ۔ ورنہ اس مخلص احمدی نے کسی حکم کو نہ مانا ۔ نہ اس پر عمل کیا ۔ باوجود اس کے جب اخراج از جماعت کے لئے دو تین بار اس کو لکھا گیا ۔ تو آپ کے صاحبزادہ مستری عبدالکریم صاحب نے شملہ سے ۱۶ ر اپریل ۱۹۲۳ء کے خط میں جو رجسٹری کرا کر حضرت صاحب کے نام بھیجا تھا ۔ لکھا ۔کہ :۔

" والا صاحب کے متعلق یہ لفظ جماعت سے نکالنے کا کئی دفعہ استعمال ہوا ہے۔
میں ہی جانتا ہوں - جو ان الفاظ نے ان پر اثر کیا ہوا ہے " (آج تو ہم سب
بھی جان گئے ہیں - کہ ان الفاظ نے ان پر کیا اثر کیا تھا - مگر بات یہی سچ ہے - کہ
یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً ط - وما یضل بہ الا الفسقین ہ الذین
ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ بہ ان
یوصل و یفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون (ت) ، نوشتہ تقدیر کو
کون مٹا سکتا ہے - آپ کی شامت اعمال آپ کے آگے آنی تھی - سو آگئی۔ فاروق)

نتیجہ مقدمات

فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الدنیا

اگست ۱۹۱۹ء سے لیکر اکتوبر سنہ ۲۳ء تک مستریان ان مقدمات مندرجہ صدر میں مبتلا رہے
اور ان ایام میں ان کے دل ہر لمحہ اور ہر ساعت سلسلہ احمدیہ کے متعلق کجی کی طرف جانے شروع
ہو گئے - مقدمات بالا کی پیروی میں انہوں نے جو اپنے ایمان اور تقویٰ اور دیانت اور اخلاق
اور اطاعت کے نمونے دکھائے ہیں - ان کا مختصر ذکر اوپر کیا جا چکا ہے - یہ مقدمات مستریوں
کے لئے پوری آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بن گئے - جس میں یہ ہر طرح سے فیل ہی ہوتے
گئے - اور دن بدن نیچے ہی گرتے گئے - یہاں تک کہ سلسلہ احمدیہ کے ہر نظام پر ان کو اعتراض
ہی سوجھتا رہا - کوئی فرد کوئی کارکن جماعت ان کے الزام سے نہ بچا - جس نے بھی مقدمات بالا میں
کسی قسم کی کارروائی کی جو ان کی منشاء کے خلاف تھی - وہی ان کے تیروں کا نشانہ بنا - کوئی
قاضی - کوئی محتسب - کوئی کلرک - کوئی گواہ - کوئی محکمہ مستریوں کے نزدیک قابل ستائش نہیں رہا -
سب کے سب ظالم - بددیانت - انصاف کے خلاف کرنے والے ہو گئے - یہ کیوں ؟ محض اس لئے کہ جو
کچھ مستری فضل کریم اور ان کے خلف الرشید مستری عبدالکریم کہتے اور چاہتے تھے - وہ نہیں کرتے
تھے - واقعات اور شہادات اور روئداد پر فیصلے ہوتے تھے - اگر ان نیک نہادوں کے منشاء کو ہی
پورا کرتے چلے جاتے - اور دوسروں کے حقوق دبانے اور حق العباد کو ادا کرنے کے لئے ان پر زور

نہ دیتے۔ تو پھر سب منصف۔ راستباز۔ دیانتدار کہلاتے۔ بہر حال مستریوں کی ہلاکت روحانی اور تباہی ایمانی کا وقت جو علم الہٰی میں مقدر تھا۔ ان مقدمات کے ذریعہ نزدیک آگیا۔ اور یہ گرتے گرتے اس درجہ تک پہنچ گئے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے بھی ہر ایک فیصلہ کو ٹھکرانے لگ گئے۔ اور

بازی۔ بازی بار یش بابا ہم بازی

تک پہنچ گئے۔ چنانچہ ۴ رمئی ۲۲ء کو پہلا مقدمہ سٹور کا حضرت صاحب نے جو فیصلہ فرمایا۔ چونکہ اس فیصلہ میں مستریوں کے متعلق یہ درج تھا۔ کہ :-

(۱) مستری فضل کریم کا روّیہ یک لخت نہایت گندہ ہوگیا۔ اور وہ اسلامی طریق کو بھلا بیٹھا ہے
(۲) اس کی تحریر کا لفظ لفظ بدظنی۔ ناواجب حملہ اور غلط حقوق کے ادعا سے پُر ہے ؛
(۳) اس نے مفتی سے غلط واقعات پیش کر کے فتویٰ لیا ہے ؛
(۴) قاضی صاحب کے ساتھ بھی اس کا معاملہ قابل افسوس ہے ؛
(۵) روپیہ کی ادائیگی کے متعلق بھی اس کا روّیہ ایک حیلہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ وہ جہاں تک ہو سکے۔ قرضہ کی ادائگی میں دیر لگانا چاہتا ہے ؛
(۶) جس رقم کو وہ سود کہتے ہیں۔ اس کا محض اپنے ذاتی نفع کے لئے سود نام رکھتے ہیں۔ اس کو سود قرار دینا زیادتی ہے ؛
(۷) میں فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ وہ اپریل ۲۲ء سے بیس روپیہ ماہوار باقساط سٹور کو ادا کریں اور جس رقم کو وہ اپنے ذاتی فائدہ کے لئے سود بتاتے ہیں۔ وہ معاف کی جائے۔

اس کو پڑھ کر ایک ایسا ایماندار احمدی جس کا یہ بیان ہو۔ کہ "جو آدمی حضور کے حکم کی نافرمانی کرے۔ وہ کہاں احمدی ہے۔ خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیاوی۔ دنیاوی خسارہ ہو یا نفع میرا تو یہ ایمان ہے" (مستری عبدالکریم کا خط از شملہ بخدمت حضرت صاحب) کیا اس کا فرض نہیں ہے۔ کہ وہ فوراً تعمیل کرے؟ اگر وہ نہ کرے۔ تو کیا حسب اقرار فرزند خود وہ احمدی ہے؟ مستریو! میں پوچھتا ہوں۔ کہ تم نے اپریل ۱۹۲۲ء سے حضرت صاحب کے فیصلہ

کے مطابق ۲۰ روپیہ ماہوار کے حساب سے قسطیں ادا کرنی شروع کر دی تھیں ؟ او فضل کریم تو بتا۔ اگر تو نہ بتا سکے۔ تو اپنے اس ایماندار بیٹے سے (جس نے یہ کہا ہے۔ کہ "جو حضور کے حکم کی کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں خواہ دنیاوی خسارہ ہو نافرمانی کرے وہ احمدی نہیں) کہلوا کہ تو نے اس حکم کی جو حق العباد کی ادائگی کے متعلق تھا۔ نافرمانی کر کے جماعت سے علیحدگی کی یا نہیں ؟ بلکہ یہاں تک تو نے نافرمانی کی۔ کہ پھر ۲۳ ستمبر ۲۲ئہ کو تجھے حضرت صاحب کے حکم سے نوٹس دیا گیا۔ کہ

آٹھ دن کے اندر اندر اس فیصلہ کی تعمیل کرو۔ ورنہ تم کو جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔

کیا تو نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حالانکہ ۳۰ ستمبر ۲۲ئہ کو اس نوٹس کے جواب میں تو نے اپنے بیٹے عبدالکریم سے یہ لکھوا کر بھیجا۔ کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں حضور کے کسی حکم کی تعمیل نہ کروں" کسی حکم کی تو نے تعمیل کی ؟ ہرگز نہیں ! حتیٰ کہ آج تک بھی تعمیل نہ کی۔ ہاں اپنی مرضی سے یہ کیا۔ کہ ۸ دن کی بجائے ۹ دسمبر ۲۲ئہ کو ۳۳ روپیہ اور ۳۱ دسمبر کو ۴۰ روپیہ پھر ۳ سال بعد ۱۸ جنوری ۲۵ئہ کو ۶۰ روپیہ۔ پھر ایک سال بعد ۳ جنوری ۱۹۲۶ئہ کو ۶۰ روپیہ منجملہ ساڑھے ۳۵۲ روپیہ والی بغیر منافع والی رقم میں سے ادا کئے۔ اور باقی ۱۵۹ روپے آج تک نہیں دیئے۔ جن کا جولائی ۱۹۲۸ئہ کو لالہ کرم چند کھتری کے سامنے حساب کر کے تمسک لکھدینے کا وعدہ تیرا بیٹا مستری عبدالکریم کر کے کاغذ خریدنے گیا ہوا آج واپس آتا ہے ؛ پس تو نے خود ہی اپنے آپ کو جماعت سے خارج کر لیا یا نہیں ؟

اس کے بعد دوسرا مقدمہ واپسی قیمت متبنی بیویاں کا جو قریشی محمود احمد صاحب سے تھا۔ اس کا فیصلہ پہلے ایک محتسب نے کیا۔ وہ تو نے نامنظور کیا۔ پھر دوسرے محتسب نے کیا۔ وہ بھی منظور نہ کیا۔ پھر قاضی نے کیا۔ وہ بھی پسند نہ آیا پھر دو قاضیوں کے بینچ میں آ وہ بھی منظور خاطر نہ ہوا۔ آخر حضرت صاحب نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۳ئہ کو فیصلہ فرمایا۔ وہ بھی جناب مستری صاحب آپ نے تسلیم نہ کیا۔ جس میں حضرت صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ :-

(۱) مستری فضل کریم کا ناواجب روپیہ قابل افسوس ہے۔

(۲) وہ دوسرے کے حقوق کو تلف کرنے کا ذریعہ مقدمہ کو بناتے ہیں اور دوسرے
کے حقوق کو تلف کرنا چاہتے ہیں ؛

(۳) وہ تسلیم شدہ رقم کے ادا کرنے کا بھی نام نہیں لیتے ؛

(۴) یہ ان کا رویہ نہایت ناواجب اور اخلاق اور شریعت کے خلاف ہے ؛

(۵) آئندہ ان کا اگر کوئی اپیل کسی مقدمہ کا پیش ہو۔ تو وہ اس وقت تک قبول نہ
کیا جائے۔ جب تک وہ فریق مخالف کے تسلیم شدہ حق کو ادا نہ کرنے لگ جائیں

مستری پہلے سٹور والے فیصلہ سے مریض ہو چکے تھے۔ اب اس فیصلہ نے انکی بیماری کو فزادھم اللہ مرضا کے مطابق اور بڑھا دیا۔ اور انہوں نے اس فیصلہ کی تعمیل بھی نہ کی۔ ۳ ماہ کی مہلت جو ادائگی رقم کے لئے دی گئی تھی۔ وہ بھی گذر گئی۔ مگر حضرت صاحب کے فیصلہ کی ذرا پرواہ نہ کی۔ جن کے لئے بقول خود "جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے تھے" (دیکھو خط عبدالکریم کا حوالہ بالا) ڈگری دار روپیہ مانگتا ہے۔ یہ دیتے نہیں۔ وہ اجراء پر اجراء کرتا ہے۔ ان کو احساس تک نہیں ہوتا۔ اور حضرت صاحب کے فیصلہ سے عملاً انکار ہے۔ آخر ۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کو انہیں حضرت صاحب کے حکم سے لکھا جاتا ہے۔ کہ حضرت صاحب کے فیصلہ کو بھی تم قبول نہیں کرتے۔ تو

"تم ایک شخص کو ثالث بنا کر اپنے کاغذات کا فیصلہ کرا لو۔ اور دو دن کے اندر
اندر ایسا کرلو۔ ورنہ جماعت سے خارج کر دینگے"

اس کے جواب میں ابن فضل کریم شملہ سے حضرت صاحب کو خط لکھتا ہے۔ کہ حضور

"میں اس کو گستاخی خیال کرتا ہوں۔ کہ حضور کے فیصلہ کے بعد کسی دوسرے
کو حکم بنایا جائے۔ یہ احمدی کی شان سے بعید ہے"

مگر بات وہیں کی وہیں ہے۔ کہ پچھلے جتنے حضور کے فیصلہ تھے۔ ان کی تعمیل تو کرتے نہیں۔ اور کہتے یہ ہیں۔ کہ "اب جو حکم حضور فرمائیں۔ بسر وچشم منظور"۔ جیسا کہ سابقہ تمام حکم منظور کر چکے۔

کس قدر گستاخی ہے۔ کس قدر مضحک ہے۔ کہ بار بار یہ کہتے جانا۔ کہ "ہم نے کسی فیصلہ کی

تعمیل میں پیشتر گریز نہیں کیا۔ مگر تعمیل ایک کی بھی نہ کرنا۔ یہ بتلا رہا ہے۔ کہ وہ وہی کرنا چاہتے ہیں۔ جو ان کی مرضی ہے۔ اپنے خلاف منشاء کسی بات کو مانتے نہیں۔ تو تنگ آکر ۲۴ر جون سنہ ۲۳ء کو حضور نے یہ فیصلہ فرما دیا۔ کہ:۔

"میں مستری صاحب کا کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ ان کو اس کا احساس اچھی طرح نہ ہو جائے۔ کہ فیصلوں کے متعلق حیلہ جوئی قبیح فعل ہے"

ایسا ہی وہ فیصلہ ان کی منشاء کے خلاف ہوا۔ جو قریشی امیر احمد صاحب کی ہتک کے متعلق معافی مانگنے کا صادر ہوا تھا۔ الغرض مستری صاحبان ان مقدمات سے مرض دق کے دوسرے درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ جس کے بعد تیسرے درجہ میں داخل ہونے کے سامان بھی خدا نے ان کے لئے پیدا کر دیئے۔ جو آگے بیان ہوتے ہیں۔

مرض دق کا تیسرا درجہ

واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم

اب مستریان مشین سیویاں کے دل میں نفاق کا بیج بویا جا کر بڑھنے لگ گیا ہے۔ اور اس کی شاخیں پھوٹ نکلی ہیں۔ اور وہ مبتلاء آزار اور احمدیت سے بیزار ہو کر شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اور رات دن اسی تلاش میں سرگردان ہیں۔ کہ کوئی ہم جنس مریض نفاق ملے۔ تو اس سے تنہائی میں بیٹھ کر غم غلط کریں۔ ابھی اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ کھلم کھلا اظہار مخالفت کرنے لگیں۔ اِدھر اُدھر ذرا بھی چپکے سے جو ان کی ہاں میں ہاں ملانے والا کوئی مل جاتا ہے۔ تو کچھ ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ پھر سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں۔ مگر دل ڈرتا ہے۔ کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اور ایسا نہ ہو۔ کہ اس بے کسی کے عالم میں احمدی جماعت جو کہ ہمارے ساتھ تعاون کرتی۔ اور ان پر ہی ہماری تجارت چلتی ہے۔ وہ ہمارے خارج از جماعت ہونے سے الگ ہو جائے۔ اور ہم فاقوں مر جائیں۔ مکان رہن ہے۔ لوگوں کا قرضہ دینا ہے۔ وہ نہ ہو۔ کہ سب کے سب

ہم سے فرنٹ ہو جائیں۔ اور ہماری بنی بنائی تجارت بگڑ جائے۔ غرض گوناگوں خیالات آ آ کر دل کو حیران اور دماغ کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ جن کی موجودگی میں سوائے منافقانہ ایام گذاری کے کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ آخر جویندہ یابندہ مارچ ۱۹۲۷ء میں ایک تیار شدہ ڈاکٹر ہمدرد اور غمگسار ہاتھ آگیا۔ جس نے قلبی جوش سے مستریان کی غمخواری کا بیڑا اٹھایا۔ اور ان کو پیغام بلڈنگ کے سول سرجن کا پتہ بتایا۔ صاحب سول سرجن نے ان مریضان کو مفید مطلب پایا۔ اور تیمارداری شروع کی۔ اور دلی ہمدردی سے ان کی پیٹھ ٹھونکی۔ حسب ترتیب سلسلہ مندرجہ بالا یہ جون ۱۹۲۳ء سے جبکہ حضرت صاحب نے ان کے متعلق یہ آخری فیصلہ فرمایا تھا۔ کہ "میں ان کا کوئی فیصلہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں" مرض نفاق کے دوسرے درجہ میں پہنچ چکے تھے۔ اور قدم آگے ہی بڑھا رہے تھے۔ کہ مارچ ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مذکور کے لڑکے کا مقدمہ ہو گیا۔ جس کے مختصر حالات یہ ہیں:۔

ڈاکٹر عبداللہ کے لڑکے کا مقدمہ

۸ مارچ ۱۹۲۷ء کو حضرت صاحب کے پاس شکایت پہنچی۔ کہ شیخ عبداللہ ہیڈ کمپونڈر نور ہسپتال کے لڑکے عبدالسلام نے ایک معزز خاتون زوجہ شیخ فضل کریم صاحب کو جو سات آٹھ سو روپیہ ماہوار کے معزز عہدہ دار تھے سر بازار جوتیوں سے مارا۔ اور برقعہ پھاڑ دیا۔ اور اس کے بعد زوجہ عطاء محمد صاحب حکیم کو مارا۔ یہ استغاثہ قضاء میں فوری فیصلہ کے لئے سپیشل قاضی کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے دو دن کے اندر پوری تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا۔ کہ:۔

(۱) "عبدالسلام (پسر عبداللہ کمپونڈر) کو اس جگہ کھڑا کر کے جہاں اس نے ان دو معزز خاتونوں کو مارا ہے۔ مجمع عام میں ہیڈ ماسٹر صاحب سکول جن کے پاس وہ تعلیم پاتا ہے۔ بموجب قواعد سکول بارہ بید لگائیں بشرطیکہ سرکاری قانون کی اجازت ہو +

(۲) عبدالسلام کو بورڈنگ میں داخل کیا جاوے۔ اور وہ ایک سال تک سوائے جمعہ اور درس کے بورڈنگ کو نہ چھوڑے۔ والدین بورڈنگ میں ہی جاکر اس سے ملنا چاہیں۔ تو مل سکتے ہیں۔

(۳) ڈاکٹر عبداللہ نے چونکہ اس معاملہ میں اپنے لڑکے کی بے جا طرفداری کی ہے۔ اس لئے اس پر ؏۲۵ جرمانہ کیا جاتا ہے۔

جب یہ فیصلہ ڈاکٹر عبداللہ کو بلا کر سنایا گیا۔ تو وہ مستریوں سے بھی دو قدم آگے نکلا۔ اس نے محکمہ قضاء اور نظام سلسلہ کی سخت ہتک کی۔ اس کو کہا گیا۔ کہ فیصلہ پر اطلاعیابی کے دستخط کر دے۔ تو اس نے یہ جواب دیا۔ کہ:۔

"میں دستخط نہیں کرتا۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔ خواہ مجھے قادیان سے نکال دو۔ کون ہے۔ جو میرے بیٹے کو بید مارے۔ خدا کا خوف نہیں آتا۔ خواہ مجھے جماعت سے نکال دو۔ خواہ ملازمت سے علیحدہ کر دو"

اس توہین قضاء کا ڈاکٹر مذکور پر استغاثہ ہوا۔ جو دوسرے قاضی کے سپرد کیا گیا۔ قاضی صاحب نے جوابدہی مقدمہ کے لئے ڈاکٹر عبداللہ کو بذریعہ رقعہ بلایا۔ تو اس نے رقعہ کو پڑھ کر پھینک دیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ بار بار اس کو بلایا۔ تو ہر بار اس نے انکار کر دیا۔ کہ میں نہیں آتا۔ قاضی صاحب نے انچارج ہسپتال نور کی خدمت میں رقعہ بھیجا۔ کہ ڈاکٹر عبداللہ کو بھیج دیں۔ مگر وہ پھر بھی نہ آیا۔ پھر ۱۷ مارچ کو اسے بلایا گیا۔ تو اس نے جواب میں کہا۔ کہ "ایسی تیسی کرائیں یہ سمن اور وہ قاضی جماعت" میں نہیں آتا۔ آخر پوری اتمام حجت کے بعد گواہوں کے بیانات پر ہی اس مقدمہ توہین قاضی کا مندرجہ ذیل فیصلہ ۲۶ مارچ کو صادر ہوا۔ کہ:۔

"میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب پر پچیس ۲۵ روپیہ جرمانہ کرتا ہوں۔ جو ان کی مارچ اور اپریل کی تنخواہ سے دو اقساط میں وصول کیا جائے"

ڈاکٹر عبداللہ ان دونوں فیصلوں سے جو ۶ مارچ کو ان کے اور ان کے بیٹے کے خلاف اور ۲۶ مارچ کو ہتک قضاء والا ان کے خلاف ہوا۔ نعل در آتش ہو گئے۔ اور حسب مقولہ

مشہور ہے کہ ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ مستریوں کے ہم خیال اور ہمراز بن گئے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے اپنے بیٹے والے مقدمہ کے فیصلہ کا اپیل کیا۔ جو دو قاضیوں کے بنچ میں پیش ہوکر بعد از سماعت عذرات فیصلہ قاضی اوّل میں کچھ ترمیم ہوگئی۔ یعنے لڑکے کی سزا کی نوعیت کو بدل دیا۔ باقی فیصلہ بحال رہا۔ بنچ کے فیصلہ کا آخری اپیل فریقین کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کے حضور اس وقت پیش ہؤا۔ جبکہ حضور ولایت تشریف لے جارہے تھے۔ اس لئے ان ہر دو اپیلوں کی سماعت واپسی از ولایت تک ملتوی رکھی گئی اور بعد از واپسی از لنڈن ۴ رفروری ۲۶ء کو حضور نے دونوں اپیلوں کا فیصلہ فرمایا۔ فریق مستغیث کی اپیل جو بغرض ایزادی سزا وغیرہ تھی نامنظور فرمائی۔ اور فریق ملزم کی اپیل کا یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ

ڈاکٹر صاحب کو جو لڑکے کی بے جا طرفداری کی بناء پر ۲۵ روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی ہے۔ وہ درست نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اس سزا سے بری کیا گیا۔ مگر عبدالسلام پسر ڈاکٹر کی وہ سزا جو بنچ نے تجویز کی تھی بحال رکھی۔ اور فیصلہ میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے لڑکے عبدالسلام کے متعلق یہ فرمایا۔ کہ:۔

"میں آخر میں نہایت افسوس سے اس امر کا بھی اظہار کرتا ہوں۔ کہ عبدالسلام (پسر ڈاکٹر عبداللہ) باوجود میرے بُلانے کے حاضر نہیں ہؤا۔ ایک ہفتہ کی پھر مُہلت دی۔ اور اس کے والد ڈاکٹر عبداللہ صاحب سے کہا۔ کہ وہ اگلی تاریخ کو اُسے پیش کردیں۔ مگر انہوں نے بھی آج یہی بتایا ہے۔ کہ وہ نہیں آتا۔"

۲۰ رفروری ۲۶ء کو پسر ڈاکٹر کے فیصلہ کے نفاذ کے لئے ناظر صاحب امور عامہ نے محتسب جماعت کو لکھا۔ کہ وہ تعمیل کرائیں۔ ڈاکٹر عبداللہ اور اس کے بیٹے عبدالسلام کو تعمیل کے لئے کہا گیا۔ تو عبداللہ ڈاکٹر نے کہا۔ کہ میرا بیٹا میرا کہنا نہیں مانتا۔ خود اس سے پوچھ لو۔ اس سے پوچھا۔ تو اس نے یہ جواب دیا۔ کہ:۔

"نہ میں حضرت صاحب کے پاس حاضر ہؤا ہوں۔ اور نہ میں اس سزا کو منظور کرتا ہوں۔ اور نہ ہی بھگتنے کیلئے تیار ہوں۔ اور نہ ہی میں کوئی تحریر دینے کے لئے

تیار ہوں "
یہ جواب بذریعہ رپورٹ حضرت صاحب کے حضور پیش ہُوا۔ تو حضور نے ۲۷ فروری کو اس پر حکم لکھا کہ :۔

" کہ ڈاکٹر صاحب کو لکھا جائے۔ کہ عبد السلام نے یہ جواب دیا ہے۔ اس جواب کے بعد ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اس سے علیحدگی اختیار کریں۔ اور اس کے لئے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی جائے۔ کہ یا تو وہ لڑکے کو سزا تجویز کردہ دلوائیں۔ ورنہ ایک ہفتہ کے اندر اسے اپنے گھر سے الگ کر دیں "

ڈاکٹر عبد اللہ نے باوجود بار بار لکھنے کے ۱۰ مارچ ۱۹۲۶ء کو مندرجہ بالا حکم کے جواب میں لکھا۔ کہ :۔

" میرا مکان میری بیوی کے پاس رہن با قبضہ ہے۔ میرا مکان کے ساتھ تعلق نہیں۔ (اس لئے میں عبد السلام کو کیسے نکال دوں) "

۲۳ مارچ کو حضرت صاحب نے اس پر حکم صادر فرمایا۔ کہ :۔

" ذمہ واری (مکان کی) اینٹوں کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ خاوند ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ عبد السلام نے خلیفہ کی حکم عدولی کی ہے۔ اس لئے وہ جب تک فیصلہ کو تسلیم نہ کرے۔ اگر اس کا آپ کے گھر میں آنا ثابت ہُوا۔ تو آپ اس کے ذمہ وار سمجھے جائیں گے۔ اور اس کا خرچ آپ بند کر سکتے ہیں "

۷ اپریل کو ڈاکٹر عبد اللہ نے لکھا۔ کہ میں نے خرچ تو بند کر دیا ہے۔ مگر اسکی والدہ اس کو خرچ دیتی ہے۔ اور گھر سے نکالنے پر تیار نہیں ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے یہ حکم دیا۔ کہ :۔

" جو عذر آپ نے پیش کیا ہے۔ وہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس سے نظام سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح ہر شخص کہہ دیا کریگا۔ کہ میری اہلیہ اس بات کو نہیں مانتی۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسی حالت میں ہم بھی وہی طریق اختیار

کریں گے۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ کہ جب ایک معاملہ میں بعض اشخاص کو سزا دی۔ تو ان کی بیویوں کو بھی حکم تھا۔ کہ وہ بھی ان سے کلام نہ کریں۔ پس اگر آپ کی اہلیہ نہیں مانتیں۔ اور عبد السلام سے قطع تعلق نہیں کرتیں۔ تو آپ ان سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ ورنہ آپ ہی ذمہ دار سمجھے جائیں گے۔ اور علیحدگی سے مراد شرعی علیحدگی (طلاق) نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ آپ اپنی اہلیہ سے بات چیت نہ کریں۔ گھر پر نہ جائیں۔ جب تک کہ عبد السلام اپنے لئے سزاء منظور نہ کرے۔ یا آپ کی اہلیہ عبد السلام سے قطع تعلق نہ کرلیں۔"

اس کے جواب میں ڈاکٹر عبد اللہ نے لکھا۔ کہ "آپ اس ابتلاء کا ذریعہ نہ بنیں۔ جہاں تک میرے بس میں تھا۔ میں نے تعمیل کر دی ہے۔ اور یہ میری طاقت سے باہر ہے"۔

ازراہ ترحم بالآخر یہ معاملہ حضرت صاحب نے مجلس شوریٰ کے ۱۸ ممبروں کے سامنے مشورہ کے لئے بھیجدیا۔ کہ بعد مشورہ اطلاع دیں۔ کیا کرنا چاہیئے۔

یکم جون کو مجلس شوریٰ کی مندرجہ ذیل رپورٹ پیش ہوئی۔ جس کو حضور نے منظور فرمایا:۔

"ڈاکٹر صاحب سے تحریر لی جائے۔ کہ وہ اپنی اہلیہ اور پسر عبد السلام سے آئندہ ہر قسم کا قطع تعلق کرلیں گے۔ نہ ان سے کسی قسم کی مدد لیں گے۔ نہ ان کو کسی قسم کی مدد دینگے۔ اور علیحدہ مکان میں رہیں گے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اس فیصلہ کو تسلیم نہ کریں۔ تو ان سے کلی مقاطعہ کا اعلان کیا جائے"۔

یہ فیصلہ برائے تعمیل ڈاکٹر عبد اللہ کو بھیجا گیا۔ تو اس نے ۱۷ جون ۳۶ء کو جواب میں لکھا۔ کہ:۔

"یہ حکم شرعی علیحدگی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لئے پیشتر اس کے کہ میں یہ قدم اٹھاؤں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ یکم جولائی تک مجھے دعاء استخارہ و رہائش وغیرہ کے انتظام کے لئے مہلت دیجائے"۔

حسب درخواست بالا مہلت دی گئی۔ بعد انقضاءِ میعاد ۱۳؍جولائی کو ڈاکٹر عبداللہ نے یہ حیلہ پیش کیا۔ کہ:۔

"عبدالسلام کے علاوہ دوسرے خوردسالہ بچے اپنی والدہ کے پاس رہیں گے۔ یا اس سے علیحدہ کئے جاویں۔ اور ان کے خرچ کا کون ذمہ وار ہوگا"

اس پر ۱۲؍جولائی کو حضور نے یہ حکم دیا۔ کہ:۔

"۹ سال یا اس سے کم عمر کے بچے والدہ کے پاس رہیں گے۔ اور ان کے اخراجات اپنی تنخواہ کی نسبت سے ڈاکٹر صاحب باطلاع دفتر امور عامہ دیتے رہیں"

اس کے جواب میں ڈاکٹر نے پھر یہ ایک نامعقول حیلہ لکھ بھیجا۔ کہ

"دفتر امور عامہ میں اطلاع خرچ دینے سے بعد کی جائے یا پیشتر"

ناظرین آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ ڈاکٹر عبداللہ کن کن حیلوں اور بہانوں سے فیصلہ جات و احکامات حضرت صاحب کی تعمیل کو ٹلا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی طرف کے اشارے کا انتظار کر رہا ہے۔ اور اس کے آنے تک ایسے بیہودہ حیلوں سے وقت ٹلا رہا ہے۔ بہرحال اس حیلہ کو بھی حضرت صاحب نے اس طرح رفع کر دیا۔ کہ:۔

"یہ ایک معمولی بات ہے۔ اطلاع دو دن پہلے دی جائے یا دو دن پیچھے مگر اطلاع بہرحال ملنی چاہیئے"

۳۱؍جولائی کو ڈاکٹر عبداللہ کو لکھا گیا۔ کہ آپ کی طرف سے تین دن تک جواب آنا چاہیئے۔ کہ آپ نے تعمیل شروع کر دی ہے۔ جس کا جواب ڈاکٹر نے بجائے تین دن کے چھ دن میں ۷؍اگست کو یہ دیا۔ کہ آج سے

"میں نے رہائش کے لئے مکان کی تلاش شروع کر دی ہے"

۱۸؍اگست کو پھر ناظر صاحب امور عامہ نے لکھا۔ کہ آپ نے یکم جولائی تک مہلت تلاش مکان وغیرہ کے لئے مانگی تھی۔ وہ دی گئی۔ مگر آپ نے کوئی تعمیل نہ کی۔ اور ۷؍اگست کو لکھا کہ اب مکان کی تلاش شروع ہوئی ہے۔ سو اس کو بھی آج ۱۸؍اگست تک کئی دن گذر گئے۔ اس لئے اب

تین دن کے اندر دیکھیں۔ کہ کیا انتظام ہؤا۔ اور یہ اطلاع ان کو ڈاکٹر فضل کریم صاحب انچارج
ہسپتال کے ذریعہ دی گئی۔ انچارج صاحب کی طرف سے ۱۲ اگست کو یہ جواب آیا۔ کہ:۔

"میں نے درباره تعمیل فیصلہ حضرت صاحب ڈاکٹر عبداللہ صاحب سے نہایت متانت اور محبت سے عرض کیا۔ لیکن انہوں نے اس کو اپنی ہتک خیال کیا۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا۔ کہ ایسا آسائش کا مکان ہو۔ جس میں نوکر اور خوراک وغیرہ کا انتظام کردیں۔ تو پھر میں اس معاملہ پر صرف سوچ سکتا ہوں۔ فیصلہ کا قبول کرنا پھر بھی ضروری نہیں۔ وہ اپنے تئیں بے گناہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان فیصلہ جات کی تعمیل ہتک"

اس پر ڈاکٹر صاحب کو بتاریخ ۲۴ اگست ۱۹۲۶ء ناظر صاحب امور عامہ نے کئی خالی مکان کا پتہ دیا۔ اور ساتھ ہی یہ لکھا۔ اگر مکان نہ لیں۔ تو شفاخانہ کے کسی کوارٹر میں سردست رہائش کرلیں پھر آپ کو ایک موقعہ دیا جاتا ہے۔ دو دن کے اندر جواب دیں۔ ورنہ آپ کو مجبوراً معطل کرنا پڑیگا" کے جواب میں ڈاکٹر عبداللہ نے لکھا۔ کہ:۔

"میں نے جو مہلت یکم جولائی تک مانگی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں گھر کے لوگوں کو سمجھاؤں۔ تاکہ بغیر تکلیف کے یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے۔ اسی پر میری توجہ رہی ہے۔ اور چند روز سے مکان کی تلاش بھی شروع کی تھی۔ مگر قابل رہائش مکان دس بارہ روپیہ ماہوار کرایہ سے کم نہیں ملتا۔ اس لئے اگر اپنے مکان کے اوپر والے حصہ میں جو میرے قبضہ میں ہے رہوں۔ تو ان مشکلات سے بچ سکتا ہوں۔ شفاخانہ میں کوئی مکان قابل رہائش نہیں"

اس کا فیصلہ حضرت صاحب نے یہ فرمایا۔ کہ:۔

"وہ اپنے مکان کے ایسے حصے میں رہیں۔ جس کا دروازہ الگ ہو۔ مگر اپنی بیوی سے ملنا جلنا بات کرنا ترک کردیں"

ڈاکٹر عبداللہ نے کھینچ تان کر مارچ ۱۹۲۷ء تک تو بانتظار کسی معہود فی الذہن جواب کے جو کسی اور طرف سے ان کو آنے والا تھا۔ تعمیل فیصلہ کو پہنچا دیا ہے۔ پھر ۷ مارچ ۱۹۲۷ء کو ناظر صاحب امور عامہ نے لکھا۔ کہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء سے آپ فیصلہ جات کی تعمیل شروع کردیں۔

اس پر ڈاکٹر صاحب نے ۱۳ر مارچ ۲۷ء کو یہ لکھ کر عذر کر دیا۔ کہ:۔

"اب تو رمضان شریف کا مہینہ آگیا ہے۔ جس میں سحری اور افطار کے لئے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ اگر وقت پر کھانا نہ ملے۔ تو میرے لئے مشکل ہے۔ میں کوئی علیحدہ انتظام کر نہیں سکتا۔"

اس پر حضرت صاحب نے ان کو رمضان کے مہینے تک کی مہلت دیدی۔ اور بعد اختتام رمضان تعمیل فیصلہ کے لئے لکھا۔ ۴ر اپریل ۲۷ء تک رمضان کا مہینہ ختم ہو چکا۔ تو ڈاکٹر عبداللہ کو تعمیل فیصلہ کے لئے لکھا گیا۔ اب وہ جواب جس کا ڈاکٹر صاحب کو انتظار تھا۔ غالباً پہنچ گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے ۶ر اپریل کو تعمیل فیصلہ کے متعلق آخری جواب یہ دیدیا جو انچارج نور ہاسپٹل کی معرفت پہنچا۔ کہ:۔

"میں اس فیصلہ کی تعمیل کرنے کے لئے طیار نہیں۔ اور جو میں نے پہلے تعمیل کے وعدے کئے تھے۔ وہ سب غلط تھے"

اس پر پہلی کارروائی سلسلہ کی طرف سے یہ ہوئی۔ کہ ۷ر اپریل ۲۷ء کو ڈاکٹر عبداللہ کو ہسپتال کی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ اور حضرت صاحب کی خدمت میں سارا واقعہ لکھ کر آخری احکام کی درخواست کی گئی۔ جس پر ۲۸ر اپریل ۲۷ء کو حضرت صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی قسمت کا یہ فیصلہ لکھ کر اعلان کر دیا۔ کہ:۔

"تین سال کا عرصہ ہوا۔ کہ ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے لڑکے نے ایک عورت کو مارا۔ شہادت سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا۔ لیکن اس لڑکے کے لئے جو سزا تجویز کی گئی۔ اس سے بچانے میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب نے پوری مدد کی۔ حتیٰ کہ جب اپیل میرے پاس آئی۔ تو اس لڑکے نے میرے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو بھی توجہ دلائی گئی۔ لیکن انہوں نے بھی اس عذر کو پیش کیا۔ کہ لڑکا میرے بس کا نہیں ہے۔ حالانکہ واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ یہ صرف بہانہ تھا۔ اس کے بعد جب ان سے کہا گیا۔ کہ اگر لڑکا اس طرح خلیفہ اور سلسلہ کی ہتک کرتا ہے۔ تو آپ اس سے قطع تعلق کر لیں اور اسے خرچ نہ دیں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس کی ماں اسے خرچ دیتی ہے۔

جب کہا گیا۔ کہ اس صورت میں اس کی ماں سے قطع تعلق کریں۔ تو مختلف بہانے بنا کر قریباً ایک سال کا عرصہ گذار دیا۔ اور آخر میں رمضان گذرنے پر قطع تعلق کرنے کا اقرار کیا۔ مگر رمضان گذرنے پر بالکل انکار کر دیا۔ اوّل تو خلیفہ اور سلسلہ کی ہتک کا جرم۔ پھر ایک احمدی عورت کی بے عزتی کا جرم۔ پھر صریح اور متواتر جھوٹ جن کا ارتکاب انہوں نے کیا ہے۔ یہ مجھے مجبور کرتے ہیں۔ کہ ان کو جماعت سے علیحدہ کر دوں۔ ایسا منافق شخص جو ایک طرف بیعت کرتا ہے۔ دوسری طرف صریح احکام کی نافرمانی گستاخی اور سرکشوں کی امداد کرتا ہے۔ وہ ایک منٹ بھی جماعت میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو جماعت سے خارج کرتا ہوں۔"

یہ ہے ناظرین اس ڈاکٹر عبداللہ صاحب کا مختصر واقعہ جو صرف نمونہ کے طور پر اس کی احمدیت اور بیعت اور اخلاص اور مستریوں سے اس کے کینکشن کے اظہار کے لئے لکھا ہے ورنہ اس کی تحریریں جس قدر سخت اور گستاخانہ بلکہ معاندانہ ہیں۔ ان میں سے اگر خلاصہ لکھنے لگوں تو کئی صفحے اخبار کے مطلوب ہیں۔ جن کو میں آیندہ کسی موقعہ کے لئے محفوظ رکھتا ہوں۔ اور ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی اہلیہ صاحبہ کو تو سلسلہ سے پہلے بھی اتنا ہی تعلق تھا۔ جتنا کہ مولوی صدر دین پیغامی کو اب ہے۔ اس کا ذکر بھی میں نے چھوڑ دیا ہے۔ نیز ڈاکٹر عبداللہ کے ایک جوابی خط پر جو اس نے ۸/ جون ۲۴ء کو لکھا تھا۔ حضرت صاحب نے ایک کمیشن بٹھائی۔ جس نے بعد تحقیقات ۱۴/ جون ۲۴ء کو رپورٹ پیش کی تھی۔ وہ بھی میں نے یہاں نقل نہیں کی۔ جس سے ڈاکٹر صاحب کی احمدیت کی اور بھی پردہ دری ہو جاتی ہے۔ وہ پھر لکھوں گا۔ اس وقت تو انکشاف حقیقت کی غرض سے اس ڈاکٹر صاحب کا تذکرہ کرنا پڑا ہے۔ جو ۱۵/ مئی ۲۴ء کے ایک لمبے خط اسمی ناظر صاحب امور عامہ میں یہ دعویٰ کرتے تھے۔ کہ میں:-

"خدا کے کلام قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ خدا اور رسول کو مانتا ہوں۔ حضرت

اقدس جناب مسیح موعود نبی اللہ جری اللہ فی حلل الانبیاء پر ایمان رکھتا ہوں۔
اور آپ کے بعد خلافت کا مصدق ہوں۔"

معلوم نہیں۔ کہ اب "پیغام جنگ" کا نمک کھا کر بھی خلافت کے مصدق اور نبی اللہ کے مومن بالنبوت اسی طرح سے ہیں۔ جس طرح سے اُس وقت تھے۔ یا کچھ ترمیم و تنسیخ کر کے پیغام پارٹی اور "اشرار المنافقین" کے ممبر بنے ہیں۔

غرض ڈاکٹر عبد اللہ خارج از جماعت ہوتے ہی اپنے اصلی مقام لاہور میں پہنچ کر "حضرت امیر ایدہ اللہ" کے آستانہ پر جبہ سائی کے لئے حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اندھے اور کوہڑی کی جوڑی

انت منی وانا منکم

جون ۲۳ء سے "مستریان مثنین بیویاں" روحانی مرض دق کے دوسرے درجہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اور ڈاکٹر کے متلاشی تھے۔ کہ مارچ ۱۹۲۴ء میں شیخ عبد اللہ انکے ہمردیف ہو گئے۔ اور پھر بوساطت ڈاکٹر عبد اللہ اپنے جدید رفیق کے سول سرجن پیغام بلڈنگ لاہور کے نسخے استعمال کرنے لگ گئے۔ جون ۲۶ء میں ڈاکٹر عبد اللہ کے لڑکے اور بیوی اکے اخراج از جماعت کا اعلان ہو چکا ہے۔ جس کے بعد ڈاکٹر سے روز افزوں مستریوں کا ارتباط بڑھنے لگا۔ لیکن بظاہر وہ ابھی تک داخل جماعت ہی سمجھے جاتے ہیں۔ گو انہوں نے اپنی کرتوتوں سے تمام منازل اخراج از جماعت کے متواتر فیصلہ جات کی نازبانی کر کے طے کر لئے تھے۔ اور منکرین خلافت سے ساز باز ہو رہا تھا۔ لیکن ابھی تک پیغام ہسپتال میں انڈور نہیں ہوئے تھے۔ ڈاکٹر عبد اللہ نے رُخ ان کا پیغام کی طرف کر لیا تھا۔ کہ ۱۹۲۶ء میں ان کا معہودہ وقت ہلاکت بھی آگیا۔ جس کا ان کی شامت اعمال سے پیش آنا مقدر ہو چکا تھا۔ جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہے۔

۱۹۲۶ء کا آغاز اور مستریوں کا پرواز

ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم

۲۳ء میں مستری فضل کریم کی لڑکی سکینہ کی شادی مرزا عبدالحق صاحب بی - اے ایل - ایل - بی سے ہو کر رخصتانہ ہو چکا تھا - ان کا بیٹا مستری عبدالکریم بھی مولوی عمرالدین صاحب شملوی کی دختر سے بیاہا جا چکا تھا - لیکن خود مستری فضل کریم دو داؤٹ وائف تھے - اور پہلی دو بیویوں کو گھاٹ اتار کر تیسری کی تلاش تھی - کہ ۲۳ء کے سالانہ جلسہ پر بابو محمد یوسف صاحب کی افسوسناک موت ان کی ڈھاب کے ذریعہ واقع ہو گئی ؎

بابو محمد یوسف صاحب مرحوم

جالندھر کے رہنے والے بابو محمد یوسف صاحب مرحوم ایک مخلص احمدی دفتر آب و ہوا شملہ میں عہدہ سپرنٹنڈنٹ پر پانچ چھ سو روپیہ ماہوار کے ملازم تھے - اللہ تعالے ان کی مغفرت کرے آمین - وہ ہر سال سالانہ جلسہ پر آیا کرتے تھے - اس سال بھی حسب دستور جلسہ پر آئے - چونکہ مرزا عبدالحق صاحب وکیل داماد مستری فضل کریم ان کے رشتہ دار تھے - اور ان دنوں مرزا عبدالحق صاحب بھی بوجہ رشتہ دامادی مستری فضل کریم کے مکان پر مقیم تھے - اور یہ بھی جلسہ پر ہی آئے تھے - اس لئے بابو محمد یوسف صاحب مرحوم بھی وہاں ہی ٹھہر گئے - صبح کے وقت وہ نماز کے لئے جو اٹھے - تو اس مردم خور ڈہاب کے کنارے جس پر فضل کریم کا مکان واقعہ ہے - استنجا کرنے کو گئے - اتفاقاً ان کا پاؤں پھسل گیا - اور ڈہاب میں گر کر فوت ہو گئے - یہ جلسہ کا قریباً پہلا یا دوسرا دن تھا - ان کی وفات کی اطلاع جالندھر میں ان کے اہل و عیال کو دی گئی - ان کی اہلیہ صاحبہ معہ دیگر رشتہ داروں کے جنازہ دفن کرنے سے پیشتر قادیان مستری صاحب کے مکان پر ہی جہاں میت رکھی تھی پہنچ گئیں - بعد تدفین ایک دن رہ کر وہ واپس اپنے گھر جالندھر چلی گئیں - اور مرزا عبدالحق صاحب بی - اے بھی شملہ چلے گئے - ۲۵ء میں مرزا عبدالحق صاحب بی - اے کو احمدیہ کالج قادیان میں ٹیچر بنا دیا - اور وہ مستری فضل کریم کے گھر ہی رہنے لگے - کیونکہ ان کے داماد تھے ؎

مستری فضل کریم کی بلند پروازی

بیوہ محمد یوسف صاحب مرحوم بھی بوجہ قرابت مرزا عبدالحق صاحب کے پاس معہ بچوں کے آگئیں - کیونکہ ان کی سرپرستی ان کے ہی سپرد ہوتی تھی - اور اسی مکان فضل کریم میں مرزا صاحب

کے پاس رہنے لگیں۔ مستری فضل کریم کو شین سیویاں کی تجارت نے ملک التجار بنا رکھا تھا۔ ان کے دماغ میں یہ خبط سمایا۔ کہ بیوہ محمد یوسف صاحب سے میرا نکاح ہو جائے۔ مستری مذکور نے بغیر اپنی اور اس کی حیثیت کا اندازہ لگانے کے خیالات کی بلندی کو یہاں تک پہنچایا۔ کہ "شیخ چلی" کو بھی مات کر دیا۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ بابو صاحب مرحوم چونکہ متمول آدمی تھے۔ اور شملہ جیسے سرد مقام میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی بیوہ جب کہ میرے نکاح میں آنے والی ہے۔ تو اس کے لئے قادیان کو ہی شملہ بنا دیا جائے۔ تاکہ ان کو شملہ کی یاد نہ ستائے۔ اس دھن میں شین سیویاں بلڈنگ کے اوپر ایک تعزیہ نما بالاخانی تعمیر کر لی۔ جس میں چاروں طرف سے سرد ہوا کے جھونکے آ آ کر شملہ کی یاد کو بھلا دیں۔ اور مخفی مخفی کچھ پارچات وغیرہ بنانے کی بھی تیاری شروع ہوگئی۔ اور دل ہی دل میں سب پختگی کرتے رہے۔ لیکن اپنی بدقسمتی سے نو سال رہکر اس بلند پروازی کو مرحوم کی بیوہ پر ابھی ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے۔ مگر سہ نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا۔ آخر ایک دن مرزا عبدالحق صاحب کو میاں عطاء اللہ صاحب بی۔ اے متعلم ایل۔ ایل۔ بی کلاس کالج لاہور کے ذریعہ یہ راز معلوم ہو گیا۔ اور ان سے بیوہ مرحوم کو پتہ لگا۔ بیوہ مرحوم سنتے ہی غضبناک ہوگئیں۔ اور مرزا عبدالحق صاحب داماد مستری کو بھی نہایت ناگوار گذرا۔ کہ

"یہ منہ اور مسور کی دال"

اور انہوں نے فوراً مستری صاحب کا مکان چھوڑ کر دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا۔ اِدھر مرزا عبدالحق صاحب اپنے خسر کی اس حیثیت سے بڑھی ہوئی دلیری پر ناراض ہو گئے۔ اُدھر بیوہ مرحوم بے حد بیزار ہوگئیں۔ ایک طرف مستری صاحب کی دختر نیک اختر ائن بیوہ سے نیز اپنے شوہر سے کشیدہ ہونے لگی۔ کہ میرے باپ کا گھر کیوں نہیں بسنے دیا۔ دوسری جانب مستری صاحب کے فرزندان گرامی مستری عبدالکریم اور مولانا محمد زاہد[1] طبیدہ دل ہوئے۔ کہ باوجود مرزا عبدالحق صاحب

[1] یہ مستری فضل کریم کا وہ موٹر ڈرائیو رلخت جگر ہے۔ جو فتنہ مستریان کا "ہیرو" ہے۔ اس کو

سے تعلق دامادی کے اور بایں ہمہ شان نشین سازی و بالاخانی کے ہم پھر بھی حقیر و ذلیل ہی ہے کہ ہمارے والد بزرگوار کو ایسا حقیر و ذلیل سمجھ کر جھڑک دیا۔ اور مکان بھی چھوڑ کر چلے گئے پھر سوچ سمجھ کر یہ تجویز نکالی۔ کہ آؤ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو لکھیں، کہ وہ اس نکاح کی تجویز کرا دیں۔ گو یہ ہونا تو ممکن نہیں۔ لیکن ایک عذر تو ہمیں ہاتھ آجائے گا۔ کہ دیکھو جی ہم نے تو حضرت صاحب سے بھی کہا۔ کہ یہ نکاح کرا دیں، مگر انہوں نے بھی جواب دیدیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضرت صاحب نے بوجہ اختلاف حالات فریقین و نارضامندی خاتون اس پر کوئی توجہ نہ کی۔ یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ مستریوں کی ہلاکت ایمانی و روحانی کی تکمیل کے لئے یہ ایک بڑا اور آخری سبب بن جاتا ہے، اور ان کے لئے مصیبت پر مصیبت لاتا ہے۔

سوتنیا ڈاہ

مرتے کو مارے شاہ مدار

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

تقدیر الٰہی سے اپریل ۱۹۲۶ء میں اس قصہ کے چند دن بعد خود مرزا عبدالحق صاحب بی۔ اے وکیل داماد مستری صاحب سے ہی بیوہ محمد یوسف صاحب مرحوم کا نکاح ہو جاتا ہے۔ اور وہ خاتون جس کے لئے مستری فضل کریم صاحب خیالی پلاؤ پکا رہے تھے، وہ ان کی دختر سکینہ کی سوت (سوکن) بن جاتی ہے، جس سے ہر شخص خیال کر سکتا ہے، کہ خاندان مستریان عموماً اور دختر مستری صاحب پر خصوصاً اس نکاح سے کیا اثر پڑا ہوگا۔ پھر جب کہ ان کا یہ خیال بھی راسخ ہو گیا۔ کہ باجازت حضرت صاحب ہی یہ نکاح ہوا ہے، تب مستری اور ان کی لڑکی سکینہ کے غضب و غصہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس نکاح کا ہونا تھا۔ کہ مستریان کے دل میں یہ

بقیہ صفحہ ۴۲

رکھیں الاشرار" زندیداز" کی بارگاہ سے پہلے "مولوی" کا خطاب ملا تھا۔ اب "مدینہ مجنوں" کے عالی حوصلہ ایڈیٹر نے "مولانا" کا ٹائٹل عطا کر دیا ہے۔ اس لئے ہم نے اس جدید خطاب یافتہ لونڈے کا اس کے خطابوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (فاروق)

یہ آگ بھڑک اٹھی۔ کہ حضرت صاحب نے عمداً اس نکاح کو ہمیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے کرایا ہے۔ اور ان کی لڑکی سکینت نے بھی دل میں جما لیا۔ کہ میرے باپ سے نکاح نہیں ہونے دیا۔ اور میری ہی اس کو سوت بنا دیا ہے۔ اس واقعہ نے پہلے واقعات کے ساتھ مل کر مستریوں کو ارتداد کے آخری گڑھے تک پہنچا دیا۔ اور حضرت صاحب کے خلاف غیظ و غضب سے بھر گئے۔ اور ان کے انتقامی جذبات بھڑک اُٹھے ؛

ڈاکٹر عبداللہ کو بھی یہ اچھا موقعہ ہاتھ آگیا۔ کہ وہ ان کو پورے طور پر مقابلہ کے لئے ابھارے۔ اہل پیغام بھی کامل مستعدی سے ان کو آگے بڑھا کر پیچھے سے سہارا دینے لگے۔ تجویزیں سوچنے لگے۔ کہ کون سا تیر چلایا جائے۔ جو نشانہ پر لگے۔ مرزا عبدالحق صاحب داماد ہیں۔ ان پر پیش نہیں چلتی۔ ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں لڑکی کو طلاق نہ دیدے۔ سارا غصہ اور ملال حضرت صاحب پر ہی ہے۔ کہ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کئے ہیں اور ہماری درخواست نکاح بھی قبول نہ کی۔ اور مرزا عبدالحق صاحب سے اس کا نکاح کرا دیا۔ لڑکی کو بھی یہی آگ بھڑک رہی ہے۔ کہ حضرت صاحب نے دیدہ دانستہ اس کو میری سوت بنوایا ہے۔ اب سوائے اس کے اپنی آگ کے بجھانے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ کہ حضرت صاحب کے خلاف کوئی فتنہ پیدا کیا جائے۔ مگر کوئی بات ہاتھ نہیں آتی۔ جس سے فتنہ پیدا کیا جا سکے تو آخر بڑے منصوبوں کے بعد ایسے ناپاک باتیں کہنی شروع کیں۔ جن کو بجز ناپاک اور گندہ فطرت کے کوئی ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

رقابت کی آگ

مرزا عبدالحق صاحب کا نکاح ثانی جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔ اپریل ۲۶ء میں ہوا اور مستریان مذکور ستمبر ۲۷ء میں اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ اور یہ وہ عرصہ ہے۔ جس کا مستری عبدالکریم برادر اکبر "مولانا محمد فاضل" نے اپنے اشتہار "قادیان کے فتنہ کی حقیقت" کے صفحہ اوّل کی سطر ۹۸ میں اس طرح کیا ہے۔ کہ :-

"قریباً عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا ہے۔ (یعنی اپریل ۲۶ء یوم نکاح ثانی مرزا

مرزا عبدالحق صاحب سے لے کر ستمبر ۲۷ء تک جبکہ مستریان نے شملہ پہنچ کر عبدالحمید وغیرہ سے اپنے حال زار کا انکشاف کیا۔ فاروق) کہ ہم کو بعض واقعات معلوم ہونے پر جناب میاں صاحب سے عقیدت کم ہو گئی۔"

اور محمد زاہد موٹر ڈرائیور اپنی کھلی چٹھی مطبوعہ ماہ اگست ۲۸ء کے صفحہ اوّل کالم پہلا سطر ۱ میں یوں لکھتا ہے۔ کہ:۔

"عرصہ دو سال کا (یوم طبع چٹھی مذکو زتک جو اگست میں شائع کی ہے۔ فاروق) ہؤا۔ کہ ہم بھی ان اعتراضات سے جو اُن کی ذات پر ہوتے رہے ہیں متاثر ہوئے۔"

پس یہ ڈیڑھ سال کا ٹھیک وہ زمانہ ہے۔ جب کہ اپریل ۲۶ء میں مرزا عبدالحق صاحب کا نکاح ثانی ہوتا ہے۔ اور مستری فضل کریم اپنی آرزو میں ناکام رہ جاتا ہے۔ کہ معاً ان کے سامنے ایسے الزامات آجاتے ہیں۔ جن سے متاثر ہو کر یہ اپنی عقیدت کا کم ہونا بتاتے ہیں۔ اس سے پہلے عقیدت کو کم کرنے والے الزامات کا نام ونشان نہ تھا۔ یہ سب کچھ سکینہ دختر مستری فضل کریم پر سوت کے آتے اور مرزا عبدالحق صاحب کے نکاح ثانی کرنے کے بعد سونیا ڈاہ اور رقابت کی آگ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے۔ کہ اس نکاح سے پہلے جب کہ چودہ سال سے ایسے الزامات بقول "مولانا زاہد" خلیفہ کی ذات پر لگتے چلے آرہے تھے یہ متاثر نہ ہوئے۔ مرزا عبدالحق صاحب کے نکاح کرنے اور رقیب بنتے ہی اور مستری فضل کریم صاحب کی دختر زوجہ مرزا عبدالحق صاحب پر سوت جرار کے آتے ہی یہ الزامات متاثر کرنے لگ گئے۔ سوچو۔ اور خوب سوچو۔ کہ کیا یہ درست نہیں۔ کہ وہ پہلے ہی مقدمات سے نفاق کا بیج اپنے دل میں بو چکے تھے۔ مگر اس وقت یہ باتیں نہ معلوم ہوئیں۔ یہ اسی وقت اثر انداز ہونے لگیں جب ڈاکٹر عبداللہ کی رفاقت اور پیغام پارٹی کی شفقت اور مرزا عبدالحق صاحب کے نکاح اور سکینہ دختر خود کی سوت کے آنے سے ان کو سونیاہ ڈاہ اور رقابت کی آگ سے مشتعل ہو کر ابھارا۔ اور کون نہیں جانتا۔ کہ یہ وہ دو قسم کی عداوتیں ہیں۔ جو مردوں اور عورتوں سے ایسے کام کرا دیتی ہیں۔ جو کسی صاحب ہوش اور خود دار عقلمند کے وہم میں بھی نہیں آسکتے۔

احمقانہ ڈیفنس

مستری عبدالکریم ابن فضل کریم اپنے پہلے اشتہار کے صفحہ ۳ کالم اول میں کیا جاہلانہ جواب اور احمقانہ ڈیفنس اس نکاح کے متعلق پیش کرتے ہیں۔کہ:۔

"رہا۔ایک عورت کا سوت بن جانا۔تو یہ کوئی عجیب بات نہ تھی"

واقعی سوت بن جانا تو عجیب بات نہ تھی۔بشرطیکہ آپ عورت ہوتے۔اور پھر آپ کا شوہر کسی ایسی عورت سے جس کی آرزو آپ کے والدصاحب کو بھی ہوتی نکاح کر لیتا۔اور آپ کے والد منہ تکتے ہی رہ جاتے۔اور وہ آپ کی سوت بن جاتی۔تب اگر آپ یہ کہتے۔کہ سوت بن جانا کوئی عجیب بات نہیں۔تو شائد اس ڈیفنس کی کوئی وقعت ہوتی لیکن ایک ایسی عورت کا سوت بن جانا۔جس کے نکاح کی تمنا آپ کے والد بزرگوار کو تھی۔اور سوت بھی اس کی بننا۔جو آپ کی ہمشیرہ اور فضل کریم صاحب کی دختر تھی۔اور بننا بھی ایسے وقت جب کہ آپ کے والد پر وہ ناراض ہو کر آپ کے مکان کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔اور آپ کے والد کو حقارت کی نظر سے جھڑک کر معاً آپکی درخواست کی نامنظوری کے بعد مرزا عبدالحق صاحب سے نکاح کر لینا عجیب بات تھی۔پس سچی بات کو چھپا کر ملمع سازی سے دنیا کو دھوکہ دینا آجکل آسان نہیں۔آگے آپ فرماتے ہیں:۔

"جب کہ ایک سے لے کر چار تک کی اجازت ہے۔تو یہ امر موجب ناراضگی ہو کیسے سکتا ہے"

قربان جائیے اس جواب کے۔جناب من۔یہ امر موجب ناراضگی ایسے ہو سکتا ہے۔کہ آپ کے والد نے اس خاتون سے اپنا نکاح چاہا۔جب اس کو اس ارادہ کا پتہ لگا۔تو وہ آپ کے والد کو دھتکار بتا کر مکان چھوڑ کر چلی گئی۔آپ کا داماد بھی آپ کی اس حرکت نازیبا سے خفا ہوا۔آپ نے حضرت صاحب کو اس نکاح کے لئے لکھا۔حضور نے بوجہ نارضامندی اس خاتون کے اور بوجہ تفاوت حالات جانبین کے اس تعلق کو مناسب نہ سمجھا۔اور پھر فوراً مرزا عبدالحق صاحب آپ کے بہنوئی اور آپ کے باپ کے داماد سے نکاح ہو گیا۔تو اس سے آپ کو اور آپ کے باپ کو اور آپ کی ہمشیرہ کو ٹھنڈک پہنچی تھی یا آگ لگ گئی تھی۔ایمان سے کہو۔یہ

بات اسی طرح ہے یا نہیں۔ پس مستری جی یوں یہ امر موجب ناراضگی ہوا ہے۔

او مستری فضل کریم! کیا تجھے وہ دن یاد ہے۔ جبکہ تو میرے مکان پر بعد عصر آیا تھا۔ اور تو نے اپنے فرزند ناخلف محمد زاہد کا ماجرا سنایا تھا۔ اور میں نے اور اخویم خان صاحب ذوالفقار علی خان نے تجھے سمجھایا تھا۔ جس کے بعد تو نے اپنے اطمینان اور تسلی دلی کا اظہار کر کے حضرت خلیفہ ثانی کی صداقت اور راستبازی کا دل سے اقرار کیا تھا۔ اور اپنے ناخلف زاہد کو ہی جھوٹا بتلایا تھا۔ آج انہیں باتوں کو اپنی بدقسمتی سے دوسروں کے پھندے میں پھنس کر اپنی ذلت دینی اور دنیوی کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ خدا سے ڈر۔ مرنا یاد کر۔ قبر میں تیرے نہ زاہد کام آئے گا نہ عبدالکریم۔ نہ سکینہ اور نہ عبداللہ ڈاکٹر۔ نہ زبیدار اور نہ اقتباز۔ نہ امیر پیغام۔ اور نہ صدر دین جیسا دشمن دین۔ کیوں اپنی ذلت کراتا اور لڑکوں کے ہاتھوں رسوائی اٹھاتا ہے

او نادان! زاہد کو دیکھ اور سکینہ کو۔ اور پھر اس انسان کو دیکھ۔ جس کے واسطے خدا نے بار بار اپنے برگزیدہ مسیح موعود علیہ السلام کو بشارتیں دیں۔ اور خود تجھے خوابوں میں اسکی پاکیزگی جتلائی۔ مگر تجھے پھر بھی ہوش نہ آئی۔ یاد رکھ چاند پر تھوکنے سے منہ پر ہی پڑے گا۔ اور پڑ رہا ہے۔ خدا کے چاند پر تیرے بنائے ہوئے بادل اندھیرا نہیں ڈال سکتے۔ وہ **یوسف** ہے۔ **محمود** ہے۔ **مصلح موعود** ہے۔ خدا کا وعدہ ہے۔ کہ ؎

کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا

تیرے بیٹے تجھے ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ استغفار کر۔ اپنی شامت اعمال سے پناہ مانگ۔ خدا سے مدد طلب کر۔ ان بیہودگیوں کو چھوڑ دے۔ یاد رکھ یہ تیری اولاد تیرے لئے فتنہ ہے۔ خود ہلاک ہو گئی۔ اور تجھے ہلاک کر رہی ہے۔ ابھی وقت ہے۔ سنبھل جا۔ خدا غفور الرحیم ہے۔ ستار ہے۔ اس سے معافی مانگ۔ یہ میری خیرخواہانہ نصیحت ہے ؎

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جائینگے

آگے میں بحولہ و قوتہٖ تیرے تباہ کنندگان کی "انکشاف حقیقت کا انکشاف کرتا ہوں جس

پر تیرے پشت پناہوں اور خیر خواہوں کو بڑا ناز ہے۔ اور جس کو محض فریب دہی کی نیت سے رنگ برنگی طرزوں سے شائع کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ اب ذرا اپنے آخری طریق فیصلہ مباہلہ" کا جواب سُن۔

مستریوں کے مُطالبہ مباہلہ کا جواب

مستری فضل کریم اینڈ سنز نے "قادیان کے فتنہ کی حقیقت"۔ "فتنہ قادیان کی اصل حقیقت" "کھُلی چھٹی بخدمت خلیفہ قادیان"۔ "انکشاف حقیقت"۔ یہ چار اشتہار اپنی اور اپنے پیشواؤں کی پوری طاقت اور علم کو صرف کر کے بڑی منصوبہ بازی سے لکھکر کثرت کے ساتھ حسب ایماء "ایم لے اینڈ کو" لوگوں میں شائع کر کے ان سب خارجی منکرین۔ داخلی منافقین اور اجنبی فاسقین نے یہ سمجھ لیا۔ کہ بس اب سلسلہ عالیہ احمدیہ کو مٹا ہی ڈالیں گے۔ یا خلافت حقہ سے لوگوں کو ہٹا کر شیطان کے پیچھے لگالیں گے۔ غرض "چھوٹا منہ بڑی بات" والی مثل کا مصداق بنکر مستری فضل کریم مشین سیویاں گھڑنے والے اور مستری عبدالکریم چکّی میں آٹا پیسنے والے اور محمد زاہد موٹر چلانے والے نے ان اشتہارات میں لکھا۔ کہ:۔

(۱) "آخری اور کھلی راہ مباہلہ ہے۔ جو آپ کو اختیار کرنی چاہیئے۔ اور آپ تمام لوگوں سے جو الزامات پر یقین کامل رکھتے ہیں مباہلہ کریں۔ تاکہ ایسے تمام لوگ جو آپ کے نزدیک بے جا الزامات لگاتے ہیں۔ نیست و نابود ہو جائیں"

(۲) "اگر اس کا جواب نہ دیا جائے گا۔ تو یہ ثابت ہو جائے گا۔ کہ تمام اعتراضات بالکل سچے ہیں۔ اور آپ قاصر ہیں۔ کہ ان کا جواب دے سکیں"

(۳) "خود بانی سلسلہ کے نزدیک ایسے حالات میں مباہلہ ہی ایک فیصلہ کُن طریق ہے۔ اور ہم اس طریق کے اختیار کرنے میں حق بجانب "

(انکشاف حقیقت صفحہ ۴ و ۵)

جو مندرجہ بالا مطالبہ مستریوں کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ اور اسی کو فیصلہ کن بنایا جا کر نا واقفوں کو دھوکہ دینے کی کوشش جاری ہے۔ اور اس مطالبہ کی بنا پر حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے ایک حوالہ پر رکھی گئی ہے۔ جو آگے آتا ہے۔ اور اس پر اس قدر زور دیکر ناز کیا جاتا ہے۔ کہ جس سے آپ کی سخن فہمی کا خاتمہ ہو کر قرآن و شریعت سے عدم واقفیت اور مولویت کی پردہ دری بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جناب نواب محمد علی خانصاحب آف مالیر کوٹلہ کے خط متعلق مباہلہ کے جواب میں ایک خط لکھا۔ جو الحکم ۲۴ر مارچ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۷ پر درج ہوا ہے۔ اس میں حضور نے فرمایا۔ کہ

حضرت اقدس کا حوالہ مباہلہ

"واضح رہے۔ کہ صرف دو صورت میں مباہلہ جائز ہے اوّل اس کافر کے ساتھ جو یہ دعویٰ رکھتا ہو۔ کہ مجھے یقیناً معلوم ہے۔ کہ اسلام حق نہیں۔

دوم۔ اس ظالم کے ساتھ جو ایک بیجا تہمت کسی پر لگاکر اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً ایک مستورہ (پردہ نشین) کو کہتا ہے۔ کہ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ یہ عورت زانیہ ہے۔ کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو زنا کرتے دیکھا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص کو کہتا ہے۔ کہ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ یہ شراب خوار ہے۔ کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ سو اس حالت میں بھی مباہلہ جائز ہے کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں۔ بلکہ ایک شخص اپنے یقین اور رویت پر بنا رکھ کر ایک مومن بھائی کو ذلت پہنچانا چاہتا ہے۔ جیسے مولوی اسمٰعیل صاحب نے کیا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ یہ میرے ایک دوست کی چشم دید بات ہے۔ کہ مرزا غلام احمد پوشیدہ طور پر آلات نجوم اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور انہیں کے ذریعہ سے کچھ کچھ آیندہ کی خبریں معلوم کرکے لوگوں کو کہدیتا ہے۔ کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ سو مولوی اسمٰعیل صاحب نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس عاجز کی دیانت اور صدق پر ایک تہمت لگائی تھی۔ جسکی اپنے ایک دوست کی رویت پر بنا رکھی تھی۔ غرض مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے۔ جو اپنے قول کی قطع اور یقین پر بنا رکھ کر دوسرے کو مفتری اور زانی وغیرہ قرار دیتے ہیں۔" (الحکم مذکور صے)

دوسرا حوالہ پھر ایک اور جگہ حضرت اقدسؑ عبدالحق غزنوی کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"میاں عبدالحق صاحب اپنے دوسرے اشتہار میں اس عاجز کو یہ لکھتے ہیں کہ اگر مباہلہ مسلمانوں سے بوجہ اختلاف جزئیہ جائز نہیں۔ تو پھر تم نے مولوی اسمٰعیل سے کیوں مباہلہ کی درخواست کی۔ سو انہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ درخواست کسی جزئی اختلاف کی بناء پر نہیں۔ بلکہ اس افتراء کا جواب ہے۔ جو انہوں نے عمداً کیا۔ اور یہ کہا۔ کہ میرا ایک دوست جس کی بات پر مجھے بکلّی اعتماد ہے۔ دو مہینے قادیان میں مرزا غلام احمدؑ کے مکان پر رہ کر بچشم خود دیکھ آیا ہوں۔ کہ ان کے پاس آلات نجوم ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ سے وہ آئندہ کی خبریں بتلاتے اور ان کا نام الہام رکھ لیتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس صورت کو جزئی اختلاف سے کیا تعلق ہے۔ بلکہ یہ تو اس قسم کی بات ہے۔ جیسے کوئی کسی کی نسبت یہ کہے۔ کہ میں نے اس کو بچشم خود زنا کرتے یا بچشم خود شراب پیتے دیکھا۔ اگر میں اس بے بنیاد افتراء کے لئے مباہلہ کی درخواست نہ کرتا۔ تو اور کیا کرتا"

(تبلیغ رسالت جلد ۲ صـ۳)

مستریوں کی تعلّی ان دونو حوالوں کو مستریوں نے بار بار اپنے اشتہارات میں نقل کر کے تعلّی کی ہے۔ کہ "کیا حضرت مسیح موعودؑ کے فیصلہ کی کوئی تاویل ممکن ہے۔ اور صریح الفاظ کو کسی طرح ہم پھیر بھی سکتے ہیں" (پیلا اشتہار صـ۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ کہ "کیا مذکورہ بالا حوالہ جات کی موجودگی میں یہ عذر کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایسا مباہلہ شریعت کے خلاف ہے۔ اوّل تو خلیفہ صاحب یا ان کے کسی مرید کا یہ حق نہیں۔ کہ بانی سلسلہ کے حکم یا فتویٰ سے انکار کر سکے۔ لیکن اگر اس انکار میں ہی بہتری خیال کی گئی ہے۔ تو یہی واجب ہے۔ کہ بہ دلائل یہ واضح ہو جائے کہ کیونکر یہ فتویٰ غلط ہے" (انکشاف حقیقت صـ۲ کالم ۲)

مستریوں اور ان کے حمائتیوں کی جہالت

ان دونوں حوالوں کی حقیقت بتانے سے پہلے اس امر کو واضح کرتا ہوں۔ کہ حضرت اقدسؑ کے اس فتوے سے کیا ثابت ہوتا ہے اگر کوئی معمولی عقل کا بھی انسان ہو۔ تو وہ اس حماقت میں کبھی مبتلاء نہ ہوگا۔ جس میں مستری اور اُن کے مُشتری مبتلا ہیں۔ اور وہ فتنہ دنیا کو اپنے جیسے بے وقوف سمجھ کر فریب دینا چاہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کے ان حوالوں سے مندرجہ ذیل امور ظاہر ہیں۔

(۱) مباہلہ کا چیلنج دینے کا صرف اس شخص کو حق ہے۔ جس پر الزام لگایا جائے۔ نہ کہ الزام لگانے والوں کو۔ جیسا کہ مستورہ پر الزام لگانے والے ظالم کے ساتھ" مباہلہ کا عورت کو حق دیا گیا ہے۔

(۲) الزام لگانے والوں کو بھی اس صورت میں مباہلہ کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے لگائے ہوئے الزام کی بنا قطع اور یقین اور چشم دید رویت پر رکھتے ہوں۔ ورنہ نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چشم دید رویت پر اعتماد کرکے اس دوسرے کی رویت کو بمنزلہ اپنی رویت کے سمجھ کر بغیر کسی شک وشبہ کے یقین کر لیتا ہے۔ اور اس بنا پر الزام لگاتا ہے۔ تو ایسے شخص کو بھی وہ شخص جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ مباہلہ کی طرف بُلا سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی اسمٰعیل والی مثال سے ظاہر ہے۔

(۴) لیکن اس قسم کا مباہلہ بھی اس شخص کے لئے جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ صرف جائز رکھا ہے۔ کہ اگر وہ چاہے۔ تو الزام دینے والے فریق سے مباہلہ کر سکتا ہے۔ نہ کہ اس پر فرض و واجب ہے۔ کہ وہ الزام لگانے والوں سے ضرور مباہلہ کرے۔

یہ امور بالصراحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ صدر حوالوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ سوال کے مطابق ہم نے مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کو دیکھنا ہے۔ کہ وہ کیا وقعت رکھتا ہے۔

پس بموجب امر اوّل مستریان کو تو قطعاً کوئی حق نہیں۔ کہ وہ اس معاملہ میں مباہلہ کا

چیلنج دیں۔ لہذا پہلے وہ یہ ثابت کریں۔ کہ قرآن وحدیث و فقہ کے کس حکم یا حضرت مسیح موعودؑ کے کس فتویٰ کی بناء پر ان کو مطالبہ کا حق ہے۔ جب تک کہ وہ شریعت کا کوئی حکم نہ بتائیں۔ ان کا کوئی حق نہیں۔ کہ وہ یہ کہیں۔ کہ "آپ کا فرض تھا۔ کہ اتنا بڑا اعتراض جو آپ کی ذات پر ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے ہر وقت مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوتے"

(انکشاف حقیقت صفحہ ۵ کالم اوّل)

بموجب امر دوئم بحوالہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام الزام لگانے والوں کو بھی اس صورت میں مباہلہ کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے لگائے ہوئے الزام کی بناء قطع اور یقین اور چشم دید رویت پر رکھتے ہوں۔ ورنہ نہیں۔ لیکن مستریوں کے اپنے بیانات سے ثابت ہے۔ کہ ان کے الزاموں کی بنا کسی چشم دید رویت یا قطع و یقین پر نہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی تحریروں میں خود لکھتے ہیں۔ کہ "عرصہ دو سال کا ہوا۔ کہ ہم ان اعتراضات سے جو چودہ سال سے آپ کی ذات پر ہوتے رہے متاثر ہوئے"

(کھلی چٹھی محمد زاہد)

کیا یہ چودہ سالہ اعتراضات کسی چشم دید رویت پر یقین کر کے ہوتے رہے یا منافقین کی افواہوں پر مبنی تھے۔ جن کو آپ ان سے سنتے رہے۔ یا آپ نے اپنی آنکھوں سے ایسا دیکھا؟ پھر دوسری جگہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ :-

"ان الزامات کے خلاف مباہلہ ہو۔ جو جناب کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں" (قادیان کے فتنہ کی حقیقت مشتہرہ مستری عبد الکریم) کیا اس کا نام بھی چشم دید رویت رکھا جا سکتا ہے؟ پھر تیسری جگہ لکھتے ہیں۔ کہ "امر واقعہ یہ ہے۔ کہ قادیان میں ایک کافی جماعت، عرصہ دراز سے اس قسم کے سوالات کرنیوالی موجود ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ایسے سوالات اٹھتے رہے ہیں۔ اب چند لوگوں نے ان سوالات کا حل کرنا چاہا۔ تا ایک ہی دفعہ تمام اعتراضات کا فیصلہ ہو جائے"

(انکشاف حقیقت مستری فضل کریم ص۲)

وہ "قادیان کی کافی جماعت" چشم دید شہادت اور رویت پر ایسے سوالات کرنیوالی زندہ موجود ہے۔ یا اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ کہ اب مستریان نے ان کی قائمقامی میں ان سے

سُنے ہوئے اعتراضات کا مباہلہ سے فیصلہ کرنا چاہا۔ اور اس کا نام چشم دید رویت اور یقین وقطع رکھ لیا؛ اگر یہی بات ہے۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات کی بناء پر کس عقل وعلم سے آپ مباہلہ کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ جبکہ آپکی نادیان والی گمنام و نشان کانی جماعت" کا کوئی وجود ہی دنیا میں موجود نہیں؟ اب سب اقراروں کے علاوہ اس امر کا بدیہی ثبوت کہ مستریوں کے پاس ایسے الزامات کا کوئی شرعی اور قانونی چشم دید رویت کا ثبوت ذرّہ بھر بھی نہیں۔ بلکہ یہ محض انتقامی جذبہ کے بخارات کا نتیجہ ہے۔ اور بنائی ہوئی باتیں جن پر خود ان کو یقین نہیں۔ مستریوں کا وہ حلفی بیان ہے۔ جو انہوں نے عدالت میں دیا ہے۔ کہ

ہم نے ایسی باتیں سنیں۔ جن سے ان کے متعلق ہمیں شک وشبہ ہُوا۔

کہو مستریو! اسی برتے پر مباہلہ مباہلہ پکارے جاتے ہو۔ اور بے شرم ہو کر لکھتے ہو۔ کہ "آپ تمام لوگوں سے جو الزامات پر یقین کامل رکھتے ہیں مباہلہ کریں۔"

(انکشاف حقیقت صلا کالم ۳)

کیا یقین کامل رکھنے والے یہی لوگ ہیں۔ جو عدالت میں بیان دیتے ہیں۔ کہ سُنی سنائی باتوں سے حضرت میاں صاحب کے متعلق ہمیں شک وشبہ ہُوا۔ اور ایسے شک وشبہ پر الزام دینے والوں کے متعلق ہی حضرت مسیح موعودؑ کے وہ حوالے نقل کرکے پھولے نہیں سماتے ہو۔ جن میں لکھا ہے"۔ کہ ان الزام دینے والوں سے مباہلہ ہوسکتا ہے۔ جن کے الزاموں کی بناء قطع ویقین اور چشم دید رویت پر ہو"۔ افسوس تمہاری دیانت پر اور حیف ہے تمہاری عقل پر۔ دیکھو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے جس خط کو تم ظاہر نہیں کرتے۔ اور بار بار یہی کہتے ہو۔ کہ ہمارے کسی خط کا جواب نہ دیا۔ اور جو جواب دیا ہے۔ وہ صرف اتنا ہی ہے۔ کہ "ایسا مباہلہ شریعت کے بالکل خلاف ہوگا"۔ (انکشاف حقیقت ص۵ کالم ۳) گویا اس ۱۶ صفحہ کے خط میں یہ دو حرف لکھکر آپ کو بھیجے تھے۔ حالانکہ بابو عبدالحمید صاحب کے جواب میں جو مفصل خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے لکھا تھا۔ اس میں نہایت وضاحت کے ساتھ ان باتوں کا جواب دیا تھا۔ جو بابو صاحب مذکور نے پیش کی تھیں۔ اور سُنی سنائی باتوں پر الزام لگانے والوں

متعلق لکھا۔ کہ

"آپ کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ الزام لگانے والے کن اخلاق کے آدمی ہیں۔ کسی آدمی کا کوئی ایک دعویٰ نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ اس کی عام اخلاقی اور دماغی حالت دیکھی جاتی ہے۔ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی پر الزام لگانے والے کے متعلق بھی ہمارا پہلا فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ دیکھیں۔ کہ آیا وہ گواہ عادل ہیں یا نہیں۔ اگر وہ راستباز نہ ہوں۔ یا ان کی دماغی کیفیت قابل تسلّی نہ ہو۔ تو ان کی گواہی کسی صورت میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ کیا کوئی دیانت داری سے یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ جو مجھ پر اعتراض کرنے والے ہیں۔ اپنی اخلاقی یا دماغی حالت میں قابل تسلّی ہیں۔ کیا اسلام کا درد شریعت کی پابندی راستبازی کا وہ اعلےٰ معیار جو شہادت کے لیئے ضروری ہے۔ ان میں پایا جاتا ہے۔ کیا ان کے بیانات مختلف لوگوں کے پاس مختلف نہیں ہیں۔ کیا وہ خود اپنے کئی جھوٹوں کے معترف نہیں۔ کیا ان کے دوست اور واقف ان کی نسبت یہ شہادت نہیں دیتے۔ کہ انہیں جھوٹ بولنے سے عار نہیں ہے کیا۔ وہ اپنی نسبت دلیری سے کئی قسم کے عیوب بیان نہیں کرتے؟ اگر یہ درست ہے۔ تو جو شخص اپنے جرموں کو کھلم کھلا علان بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ اس کے دوسروں پر الزام لگانے کو کون عقلمند تسلیم کرے گا۔ اس کا اپنے جرم کا اقرار کر لینا یہ ثابت نہیں کرتا۔ کہ وہ بڑا نیک ہے۔ کیونکہ شریعت تو گناہ کو ظاہر کرنے سے روکتی ہے۔ جب تک قاضی کے سامنے شہادت کے موقعہ پر اس کا بیان کرنا از روئے شریعت ضروری نہ ہو۔ پس جو شخص بلاوجہ اپنی نسبت بدکاریاں اور عیوب منسوب کرتا ہے۔ اس کو تو شریعت شاہد عادل ہی قرار نہیں دیتی۔"

او مستریو! تم اپنی حالتوں پر غور کرو۔ اور سوچو کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہے۔ جو اوپر بیان ہوئی۔ اور جو سنی سنائی باتوں سے شک وشبہ میں گرفتار رہنا عدالت میں تسلیم کر چکے ہوں کیا وہ بھی یہ حق رکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ پر بنیاد رکھ کر کسی مباہلہ کا مطالبہ کریں۔ جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کردہ شرائط مباہلہ میں سے ایک شرط بھی یہاں موجود نہیں۔ نہ یقین ہے۔ نہ رویت پر بنا ہے۔ نہ کوئی شاہد عادل ہے۔ جس کی بناء پر اس شخص کو جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ مباہلہ کرنا حضرت مسیح موعودؑ کے فتویٰ کی رُو سے شرعاً جائز ہو۔

تیسرا امر جو حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔ کہ کسی دوسرے کی چشم دید رویت کو بمنزلہ اپنی رویت کے قرار دیتے ہوئے بھی وہ شخص جس پر الزام لگایا گیا ہے مباہلہ کرسکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی اسمٰعیل والی مثال سے ظاہر ہے ؛

سو اس کے مطابق بھی مستریوں کا حق نہیں۔ کہ وہ مباہلہ کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ اس کے رو سے بھی مباہلہ کا حق اسی شخص کو ہے۔ جس پر الزام لگایا جائے۔ نہ کہ مستریوں کو جو سنی سنائی باتوں پر شک وشبہ کرتے ہیں۔ دوم ہم نے جہاں تک ان کی تحریروں کو پڑھا۔ ان میں کسی ایک جگہ بھی لکھا نہیں دیکھا۔ کہ فلاں شخص کی چشم دید رویت پر مستریوں نے یقین حاصل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خود ان کے اپنے تراشیدہ الزامات ہیں۔ اس لئے یہ کسی کا نام بتا سکتے ہی نہیں۔ کہ فلاں شخص کی چشم دید گواہی پر انہوں نے یہ مطالبہ کیا ہے۔ ورنہ عدالت میں یہ نہ کہتے۔ کہ "ہمیں سنی سنائی باتوں سے ان کے متعلق شک وشبہ ہوا" صاف کھول کر کیوں اس چشم دید رویت والے گواہ کو پیش نہیں کرتے۔ اور کیوں اس کا نام نہیں بتاتے۔ یا خدا کے اس وعید سے ڈر جاتے۔ جو ان بعض الظن اثم میں فرمایا گیا ہے ؛

مولوی اسمٰعیل والی مثال نے اس امر کو نہایت واضح کر دیا ہے۔ کہ اسمٰعیل نے حضرت مسیح موعودؑ پر یہ الزام لگایا۔ کہ وہ آلات نجوم سے کام لے کر آئندہ کی خبریں بتاتے ہیں۔ اور فریب سے ان کا نام الہام رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو مباہلہ کے لئے بلایا۔ نہ کہ اسمٰعیل نے کوئی مباہلہ کا مطالبہ اپنے دوست کی چشم دید گواہی پر اعتماد کرکے حضرت صاحب سے کیا۔ خلاف اس کے حضرت خلیفۃ المسیح پر مستریوں نے جو کچھ بھی الزام لگایا۔ وہ کسی دوسرے کی رویت پر بنا رکھکر نہیں لگایا۔ بلکہ اپنا ہی تراشیدہ الزام ہے ؛

چوتھا امر جو حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ اس قسم کا مباہلہ کرنا بھی جن کی مثالیں حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات میں ہیں۔ صرف اس شخص کے لئے جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ جائز ہے۔ نہ کہ فرض وواجب۔ سو اس بناء پر بھی مستریوں کو کوئی حق نہیں۔ کہ مباہلہ کا مطالبہ کریں۔ یہ اسی کے لئے جائز ہے۔ جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ اگر اس کے مناسب حال ہو۔ تو کرے۔ اور اگر خلاف شان ہو تو نہ کرے۔ بلکہ جو شرعی طریق ایسے

الزامات کا بتایا گیا ہے۔ اس کو استعمال کرے (اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے بوجوہات شرعی جن کا ذکر وہ اپنے مکتوب اسمی بابو عبد الحمید میں فرما چکے ہیں۔ اور میں بھی ان کو نقل کروں گا) مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کو خلاف شریعت قرار دیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حوالوں سے یہ امر تو بے شک ثابت ہو گیا۔ کہ مباہلہ کے مطالبہ کا الزام دینے والوں کو کوئی حق نہیں۔ جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ اُسی کو حق ہے۔ کہ وہ الزام دہندگان سے مباہلہ کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ جب تک الزام کی بناء کسی عینی شہادت اور چشم دید رویت پر نہ ہو۔ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ مستریوں کے پاس کوئی رویت کی یقینی چشم دید شہادت نہیں۔ صرف سنی سنائی باتوں سے وہ شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں۔ لیکن اگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ ہی مباہلہ کا چیلنج فریق ثانی کو دیکر فیصلہ کرلیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس شخص کے لئے جس پر الزام لگایا جائے مباہلہ کرنا جائز رکھا ہے۔ تو اس میں کیا حرج ہے؟

فاما الجواب

بے شک حرج و معصیت ہے۔ اگر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ مستریوں کے مطالبہ کو منظور فرمالیں۔ تو بوجوہات ذیل نہ صرف حرج ہے۔ بلکہ گناہ ہے۔

اوّل۔ مستریوں کا مباہلہ شریعت اور حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کے فتویٰ کا ماخذ قرآن مجید کا وہ صریح حکم لعان ہے۔ جو سورۂ نور کی آیت والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم الآیۃ میں مذکور ہے۔ اگر یہ فتویٰ اس حکم سے مستنبط نہیں۔ تو بتاؤ۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن مجید کی کس آیت سے اس کو نکالا ہے۔ اور اگر اس آیت لعان سے ماخوذ نہیں۔ پھر تو قرآن مجید کی دوسری آیت کے جو اسی سورۂ نور میں والذین یرمون المحصنٰت ہے۔ صریح خلاف ہو جاتا ہے۔ پس یا تو اس فتوے کو سورۂ نور کی اوّل الذکر آیت سے ماخوذ مانو۔ یا اس کا قرآن و حدیث

کوئی ماخذ بتاؤ۔ ورنہ آیت ثانی الذکر کے خلاف قرار دینا پڑے گا۔ غرض کسی شق کو اختیار کرلو۔ مستریوں کا مطالبہ ہر صورت میں خلاف شریعت ہوگا۔ پس حضرت خلیفۃ المسیح کس طرح ایک خلاف شریعت امر کو قبول کرسکتے ہیں ؛

دوم۔ مستریوں کا مطالبہ قرآن مجید کے اس صریح حکم کے خلاف ہے۔ جو سورۂ نور کی آیت والذین یرمون المحصنٰت۔ ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ الایۃ میں بتایا گیا ہے۔ کہ جو لوگ نیک مرد اور نیک عورتوں پر گندے الزام لگاتے ہیں۔ ان سے چار رویت کے گواہ طلب کرو۔ پھر اگر وہ ایسے گواہ نہ پیش کریں۔ تو ان کو اسّی کوڑے مارو۔ اور آیندہ ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو (لفظ محصنٰت میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں) اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح مستریوں کے مطالبہ پر مباہلہ کر دیں۔ تو اس آیت کے خلاف عمل کرنے والے ہونگے۔ دیکھو اسلامی حکومت میں اگر یہ مستری ایسا گندہ الزام لگاتے تو ان کو خلاف شریعت مباہلہ کے مطالبہ کی اجازت دی جاتی۔ یا ان سے حسب ارشاد باری چار چشم دید گواہ طلب کئے جاتے۔ اور بصورت نہ پیش کرنے کے ان کی پشت پاستر لال کی جاتی۔ یہی تو اس میں بھید ہے۔ کہ یہ دلیری سے ایسی باتیں تراشتے ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ ہمیں کس نے پوچھنا ہے۔ اور یہ خیال اُن کا صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بوجہ اپنے نازک منصب خلافت کے ان کی ہتک آمیز باتوں کا جواب نہیں دے سکتے اگر وہ ایسی ہی باتیں کسی معمولی آدمی کے حق میں کہیں۔ تو وہ اُن کو عدالت میں گھسیٹ کر مزا چکھادے۔ اس لئے وہ کسی دوسرے کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ وہ کہکر دیکھ لیں کہ سرکاری مہمان خانہ میں پہنچ جاتے ہیں یا نہیں۔ چونکہ خلافت کے مرتبہ اور اس کی حفاظت کی وجہ سے خلیفہ کے ہاتھ بند ہیں۔ اور وہ اس طرح اپنی عزت کی حفاظت نہیں کرسکتے جس طرح کہ ایک عام آدمی اپنی عزت کی حفاظت کرلیتا ہے۔ پس ان کی اس پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے ؛

سوئم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اگر مباہلہ کریں۔ تو کس بناء پر کریں۔ اور کس سے کریں۔ بالمقابل کون سی جماعت یا گروہ یا لوگ ہیں۔ جن سے مباہلہ کیا جائے۔ اور وہ کونسا

الزام ہے۔ جس پر مباہلہ کیا جائے۔ مباہلہ کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں :-

شرائط مباہلہ

(۱) مسنون طریق مباہلہ کا یہ ہے۔ کہ جو شخص مباہلہ کی درخواست کرے۔ اس کے دعویٰ کی بنا ایسے یقین پر ہو۔ جس یقین کی وجہ سے وہ اپنے فریق مقابل کو قطعی طور پر مفتری اور کاذب خیال کرے۔ اور اس یقین کا اس کی طرف سے بصراحت اظہار چاہیئے۔ کہ میں اس شخص کو مفتری جانتا ہوں۔ نہ صرف ظن اور شک کے طور سے بلکہ کامل یقین سے۔

(۲) مباہلہ میں دونوں فریق ایسے چاہئیں۔ کہ درحقیقت یقینی طور پر ایک دوسرے کو مفتری سمجھیں۔ اور وہ حسن ظن جو مومن پر ہوتا ہے۔ ایک ذرہ ان کے درمیان موجود نہ ہو۔ جب تک یہ تمام شرائط پائی نہ جائیں۔ تو عندالشرع مباہلہ ہرگز درست نہیں۔ قرآن کریم کے منشاء کے خلاف اگر مباہلہ ہو۔ تو ایمانی مباہلہ ہرگز نہیں۔ افغانی مباہلہ ہو تو ہو (بغیر ان شرائط کے) اگر مباہلہ ہوگا۔ تو ہرگز کوئی ثمرہ مترتب نہیں ہوگا۔ اور ناحق غیر مذاہب والے ہنسی کریں گے۔" (مسیح موعود تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۵)

(۳) مباہلہ اس وقت جائز ہوگا۔ جب فریق مخالف یہ اشتہار دیں۔ کہ ہم اس شخص کو یقین کلی سے مفتری جانتے ہیں۔ اور ہم اسبات کے محتاج نہیں۔ کہ یہ کہیں۔ کہ امر متنازعہ کی اصل حقیقت خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ بلکہ یقیناً اس کی سب اصل حقیقت ہمیں معلوم ہو چکی ہے :-

(۴) یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جو شخص آپ ہی یقین نہیں کرتا۔ وہ مباہلہ کس بناء پر کرنا چاہتا ہے۔ مباہل کا منصب یہ ہے۔ کہ اپنے دعویٰ پر یقین ظاہر کرے۔ ظن اور شبہ پر بنا نہ ہو۔ مباہل کو یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ جو کچھ اس امر کے بارے میں خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ وہی مجھ کو یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے۔ تب مباہلہ کی بنیاد پیدا ہوتی ہے۔

(۵) درخواست کنندہ مباہلہ یہ کہے۔ کہ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ یہ شخص کاذب اور مفتری ہے۔ اور اس یقین میں شک و شبہ کو راہ نہیں۔ بلکہ رویت کی طرح قطعی ہے۔ ایسا ہی مجھے اس بات پر بھی یقین ہے۔ کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے۔ وہ ایسا شک و شبہ سے منزہ ہے۔ کہ جیسے رویت

تب اس کے بعد مباہلہ شروع ہو۔ (الحکم ۲۴ر مارچ ۱۹۰۲ء)

اب بتاؤ۔ کہ ان شرائط بالا میں سے جو حضرت مسیح موعودؑ کے انہیں دونوں حوالوں پیش کردہ مستریان میں موجود ہیں۔ کوئی بھی شرط مستریوں کے مطالبہ مباہلہ میں پائی جاتی ہے؟ کیا مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کی بناء یقین پر ہے۔ اور اس یقین کا حسب شرائط بالا انہوں نے اظہار کیا ہے۔ یا عدالتوں میں حلفیہ بیان دیا ہے۔ کہ "خلیفہ صاحب کے متعلق ہم کو ذاتی شکوک تھے۔ ان شکوک کی وجہ سے باہمی ناچاقی ہوئی" (بیان محمد زاہد مورخہ ۱۴ر فروری ۲۸ء بعدالت بٹالہ) پھر ۲۶ر نومبر ۱۱ء کو بعدالت بھنڈاری صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل محمد زاہد نے یہ بیان دیا۔ کہ "عرصہ ڈیڑھ سال سے مظہر ایسی باتیں سنتا رہا ہے۔ جس سے مرزا محمود احمد صاحب کے متعلق شبہ ہوا ہے۔ میں نے شبہ نکالنا چاہا تھا۔ کہ درست ہے یا نہیں" پھر اسی عدالت بھنڈاری صاحب میں بمقدمہ ۳۰/۲۲۳ یہ بیان دیا۔ کہ "ہم کو ان کے متعلق شکوک ہیں" پھر مستری عبدالکریم برادر زاہد قادیان کے فتنہ کی حقیقت" میں لکھتا ہے۔ کہ "ہم کو بعض واقعات کے معلوم ہونے پر میاں صاحب سے عقیدت کم ہوگئی۔ اگر ہم اپنی تسلی نہ کرینگے۔ تو یقیناً تمام عقیدت جاتی رہے گی" جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی عقیدت میں صرف کمی ہوئی ہے بالکل نہیں جاتی رہی۔ اگر ان کو ان الزامات پر یقین کامل ہوتا۔ تو کیا معلوم ہوتے ہی تمام عقیدت نہ جاتی رہتی۔ مگر ابھی تلک ہے محبت کی اس میں بُو باقی۔ عقیدت ہے مگر کم۔ اور مباہلہ کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ حسن ظن کا ایک ذرّہ باقی نہ ہو۔ ظن اور شک کا نام تک نہ رہے۔ شک و شبہ سے منزّہ ایسا یقین ہو۔ جیسے آنکھوں دیکھی بات پر قطعی یقین ہوتا ہے۔ تب مباہلہ ہو سکتا ہے۔ اور مستریوں کے دل میں سوائے شکوک اور شبہات اور کمی عقیدت کے کے وہ یقین جو مباہلہ کے لئے لازمی شرط ہے۔ قطعاً نہیں۔ پھر ایسے مشکوک اور مشتبہ شخصوں سے کس حکم شریعت کے ماتحت مباہلہ کیا جائے۔ اور کس سے کیا جائے۔ آیا محمد زاہد سے جو یہ بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے ایسی باتیں خلیفہ صاحب کے متعلق سنیں۔ جن سے شبہ ہوا۔ میں نے شبہ نکالنا چاہا تھا" وہ لوگ جو محمد زاہد کو جانتے ہیں۔ خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار یا دوست یا واقف خواہ پیغامی ہو یا ہندو۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ کہہ سکتے

ہیں۔ کہ زاہد جیسے چال چلن کے لڑکے سے مباہلہ کیا جائے۔ جس کے متعلق خود مرزا عبدالحق صاحب۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل گورداسپور بہنوئی زاہد و عبدالکریم اور داماد مستری فضل کریم اور شوہر سکینہ دختر فضل کریم نے عدالت میں یہ حلفیہ بیان دیا۔ کہ "میں نے زاہد کو اپنے مکان پر آنے سے منع کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کا چال چلن خراب ہے" یا عبدالکریم برادر زاہد کے ساتھ مباہلہ کیا جائے۔ جو اپنے پہلے اشتہار میں لکھتا ہے۔ کہ ہم نے مباہلہ کا مطالبہ اس نیت سے کیا تھا۔ کہ۔ اگر وہ شکوک درست ہیں۔ جو میاں صاحب کے متعلق ظاہر کئے جاتے ہیں۔ تو یہ معاملہ صاف ہو جائے" یا مستری فضل کریم سے مباہلہ کیا جائے۔ جو یہ لکھتا ہے۔ کہ شملہ میں چند لوگوں نے جن کا نام و پتہ نہیں۔ خلیفہ صاحب سے مباہلہ کے ذریعہ سوالات کو حل کرنا چاہا تھا۔ مگر آپ نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ سو یہ بڑے میاں تو صرف زاہد اور عبدالکریم اپنے بیٹوں کے جھوٹی بوددار ہیں۔ نہ الزام لگانے والوں میں نہ درخواست مباہلہ کرنے والوں میں۔ لے دے کے صرف محمد زاہد موٹر ڈرائیور ہی رہ جاتا ہے۔ اور وہ جس حیثیت اور جس چال چلن کا لونڈا ہے اس کو جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ لہذا جب کہ نہ الزام کا پتہ نہ مباہلہ کرنے والوں کا نام و نشان۔ نہ قطع و یقین و رویت کا اقرار۔ ایسی صورت میں حضرت خلیفۃ المسیح کس حکم شرعی یا آیت قرآنی یا حدیث نبوی یا ارشاد مسیح موعودؑ کے ماتحت اس مباہلہ کے مطالبہ کو منظور کریں۔ یا احکامات قرآنی اور شریعت اسلامی کے خلاف خود مباہلہ پر آمادہ ہو کر ایک نئی شریعت بنائیں:۔

چہارم۔ کیا قبل ازیں۔ اسلام میں ایسے واقعات نہیں پیش آئے؟ اگر آئے ہیں۔ اور ضرور پیش آئے ہیں۔ کیونکہ یہ صرف آج ہی کوئی طرفہ بات نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمیشہ مقدسین پر کسی نے غلط فہمی سے کسی نے عداوت و بغض سے۔ کسی نے منافقت سے کسی نے حسد و کینہ سے وہ وہ الزام لگائے ہیں۔ جن کو مسلمان سن کر حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ایسے واقعات کا ذکر قرآن و حدیث و کتب اسلامیہ میں بالتصریح موجود ہے۔ لیکن مباہلہ کے مطالبہ کی کسی کو ضرورت نہ پڑی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام حضرت

عائشہ صدیقہ رضؓ حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے واقعات موجود ہیں۔

حضرت یوسفؑ پر الزام

کیا زلیخا عزیز مصر کی بیوی نے جس کی شخصیت ستریوں کے خاندان سے بدرجہا بالا تھی۔ اور جس کو اپنی عزت کا ان موٹر ڈرائیوروں اور مشین بیویاں بنانے والوں سے بہت زیادہ پاس ہو سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام پر اپنی ذات کی نسبت الزام نہیں لگایا۔ مگر دیکھو کہ یوسفؑ نے یہ نہیں کیا۔ کہ زلیخا سے مباہلہ کرتے۔ نہ زلیخا نے ہی مباہلہ کا مطالبہ کیا۔ بلکہ حضرت یوسفؑ نے دلائل کو پیش کیا۔ شہادت کو طلب کیا۔ کہ ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن۔ ان ربی بکیدھن علیم۔ ان عورتوں سے پوچھو۔ جو مجھے بدنام کرنے والی تھیں۔ کیا وہ میرے جرم کی شہادت دیتی ہیں۔ ستریوں کے اصول پر تو ان کو مباہلہ کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن انہوں نے جیل خانہ میں جانا قبول کیا۔ مگر مباہلہ یا مباہلہ جیسے کسی طریق سے اپنی بریت نہ چاہی۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا یوسف ثانی اور خدا کا محمود کس طرح اُس طریق پر کاربند ہو۔ جو یوسفؑ اوّل نے بھی نہ کیا۔

اِفک بر عائشہؓ

پنجم۔ حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا۔ لگانے والے کون تھے عصبۃ منکم صحابہ میں سے ایک جماعت جن میں سے مقدم اور پیشرو عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار تھا۔ دوسرا مسطحؓ بن اثاثہ صحابی اہل بدر سے۔ تیسرا حسانؓ بن ثابت مشہور صحابی۔ چوتھی ام المومنین زینبؓ کی ہمشیرہ حمنہ تھی۔ ایک طرف تو ان کو دیکھو کہ سوائے ایک منافق کے سب مومن اور باوقار معزز صحابی ہیں۔ دوسری طرف زاہد اور عبدالکریم کی دینی و دنیوی حالت پر نظر ڈالو۔ اور بتاؤ۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر الزام لگانے والوں اور مشین بیویاں کے ستریوں میں کتنا فرق ہے۔ اور پھر بتاؤ۔ کہ صدیقہ رضؓ نے تو ایسے معززین صحابہ سے جو مومن تھے۔ اور باوقار بھی مباہلہ نہ کیا نہ مؤکد بعذاب حلف اٹھائے۔

نگران مستریوں سے جو صحابی نہ صحابیہ جیسے باوقار حضرت خلیفۃ المسیح ثانی مباہلہ کریں۔ سنو!
حضرت صدیقہ رضؓ فخر عرب و عجم صاحب لولاک کی حرم محترمہ اس الزام کے متعلق کیا کرتی ہیں۔
اس الزام کو سُن کر بیمار ہو جاتی ہیں۔ رات دن روتی ہیں۔ اپنی پاک دامنی پر قطعی اور کامل
یقین ہے۔ الزام کو یقینی افترا اور جھوٹ سمجھتی ہیں۔ مگر مباہلہ کے لئے نہیں کہتیں۔ نہ کوئی
حلف موکّد بعذاب اٹھاتی ہیں۔ نہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ان کو مباہلہ کرنے کو فرماتے ہیں۔ نہ
فریق الزام دہندہ کی طرف سے مباہلہ کا مطالبہ ہوتا ہے۔ بلکہ آنحضرت صلعم پوچھتے ہیں۔ کہ اے
عائشہ رضؓ میں نے ایسا ایسا سنا ہے۔ اگر تجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ تو توبہ کر اور اللہ سے معافی مانگ
وہ توبہ کو منظور کر لیتا ہے۔ اور اگر تو اس سے بری ہے۔ تو اللہ تجھے بچائے گا۔ یہ موقعہ تھا
کہ صدیقہ رضؓ حلف موکّد بعذاب اٹھائیں۔ یا مباہلہ کریں۔ مگر وہ کچھ نہیں کرتیں۔ اور آپ یہ جواب
دیتی ہیں۔ کہ۔ اگر میں کہوں۔ کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ میں سچی ہوں۔ تو
یہ میرا کہنا تمہارے نزدیک کچھ کارآمد نہیں ہے۔ تم نے اس بات کا چرچا کیا۔ اور تمہارے
دلوں میں یہ بات رچ گئی۔ اور اگر میں کہوں۔ کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ
میں نے یہ کام نہیں کیا۔ تو تم کہو گے اس نے اقرار کر لیا ہے۔ اسلئے میں یعقوبؑ یوسفؑ کے
باپ کی طرح یہی کہتی ہوں۔ فصبرٌ جمیل واللہ المستعان علےٰ ما تصفون۔ صبر ہی کرتی
ہوں۔ اور اللہ ہی مددگار ہے۔ اس پر جو تم بیان کرتے ہو!! آخر خدا تعالےٰ کی طرف سے
صدیقہ رضؓ کی بریّت ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلعم پھر ان الزام دینے والوں میں سے حضرت
حسّان۔ مسطحؓ۔ حمنہ کو حد لگاتے ہیں۔ جو آج اگر اسلامی حکومت ہوتی۔ تو یہی حال مستریوں کا
بھی ہوتا۔

اب جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور بغض۔ حسد و کینہ و تعصّب میں مبتلا نہیں۔ وہ
ذرا افک بر عائشہ رضؓ اور افک بر خلیفہ رضؓ کا فرق بتائیں۔ کہ دونوں میں سے کونسا واقعہ زیادہ
اہمیت رکھتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا ایسے بہتانوں کے متعلق جو ارشاد ہے۔ اس کو دیکھیں۔ پھر
اپنے دلوں میں انصاف کریں۔ کہ افک محمود رضؓ کے متعلق ان کا کیا فرض ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے:۔

ان الذین جاء بالافک عصبۃ منکم لا تحسبوہ شرا لکم ۔ بل ھو خیر لکم ۔ لکل
امرئ منھم ما اکتسب من الاثم ۔ والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم ۔

یعنے جن شخصوں نے یہ بہتان لگایا ہے ۔ وہ تم میں سے ہی کچھ لوگ ہیں ۔ (کوئی آریہ ۔ عیسائی ۔ یہودی ۔ یا دہریہ نہیں ۔ بلکہ اسلام کے ہی دعویدار ہیں ۔) تم اس کو برا نہ سمجھو ۔ بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی ۔ کہ دوست و دشمن ۔ منافق و مومن کا پتہ لگ گیا ۔ یاد رکھو ۔ ان سب بہتان لگانے والوں کو حصہ رسدی گناہ کا بدلہ ملیگا ۔ اور رئیس (عبداللہ بن ابی سلول) نے اس میں بڑا حصہ لیا ہے ۔ اس کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو تنبیہ کرتا ہے ۔ کہ لولا اذ سمعتموہ ظن المومنین والمومنات بانفسھم خیرا ۔ وقالوا ھذا افک مبین ۔ کیوں نہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں نے سنتے ہی اپنے بھائی بہنوں کی نسبت نیک گمان کیا ۔ اور یہ کیوں نہ کہدیا ۔ کہ "ھذا افک مبین" یہ تو صریح تہمت ہے پھر آگے الزام دینے والوں پر اس طرح غصہ کا اظہار فرماتا ہے ۔ کہ لولا جاء و علیہ اربعۃ شھداء اگر یہ افتراء پرداز سچے تھے ۔ تو کیوں نہ انہوں نے چار گواہ پیش کئے (دیکھو یہ نہیں فرمایا ۔ کہ کیوں نہ اونہوں نے مباہلہ یا حلف مؤکد بعذاب کا مطالبہ کیا ۔ بلکہ چار گواہ رویت کے پیش کرنا ان کا فرض بتایا ہے) اور جب چار گواہ نہ پیش کر سکے ۔ تو ان کو ہی کاذب قرار دیا ۔ اور فرمایا ۔ کہ فاذ لم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون ۔ کہ گواہ نہ پیش کرنے سے وہ خدا کے نزدیک جھوٹے ہیں ۔ آگے اپنے فضل و رحم کا جو جماعت مومنین (اور جماعت احمدیہ) پر ہے اس طرح ذکر فرما کر کہ اگر خدا کی عنایت و مہربانی دین و دنیا میں تم پر نہ ہوتی ۔ تو اس بہتان کے چرچا کرنے کا تم کو سخت عذاب ہوتا ۔ جب تم اپنے منہ سے وہ بات نکال رہے تھے ۔ جس کا تم کو علم نہ تھا (چہ جائیکہ مباہلہ اور حلف کا بھی مطالبہ کرنے لگ گئے ۔) وتحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم ۔ اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے ہو حالانکہ خدا کے نزدیک یہ تمہاری جرأت بڑی گستاخی ہے ۔ پھر دوبارہ مومنوں کو تنبیہ ہوتی ہے ۔ کہ لو لا سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا ۔ کیوں نے سننے کے ساتھ ہی یہ کہا ۔ کہ ہم کو ایسی ناروا بات منہ سے بھی نہیں نکالنی چاہیئے ۔ اور کیوں نہ اس بیہودہ بات کو سنتے ہی

تم نے کہدیا کہ: ۔ھذا بھتان عظیم۔ یہ تو بڑا بہتان ہے۔ آگے آئندہ کے لئے خدا تعالےٰ نصیحت فرماتا ہے۔ کہ یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدًا ان کنتم مؤمنین۔ اگر تم مومن ہو۔ تو پھر کبھی بھی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا۔ پھر جو لوگ ایسی افترا پردازیاں کرتے ہیں۔ ان کو وعید سے ڈرایا ہے۔ کہ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں۔ کہ فحش باتیں مومنوں میں پھیلا کر ایک فتنہ پیدا کریں۔ ان کو دردناک عذاب دنیا و آخرت میں ہوگا (ربنا لا تجعلنا منھم واجعلنا من المومنین آمین) ؎

ایک خدا سے ڈرنے والا دل جب اس ارشاد باری کو جو سورۃ نور سے ایسے بہتانوں کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ بنظر تدبر غور کرے گا۔ تو اس کو زاہدی فتنہ کے متعلق جو فتنہ مستریاں سے مشہور ہے۔ بجز یہ کہنے کے کہ "ھٰذا بھتان عظیم"۔ ھذا افک مبین" کوئی دوسرا خیال ہی دل پر نہ آئے گا۔ اور وہ لوگ جو اس بہتان کے محرک اور ان کے آلہ کار ہیں۔ اگر وہ عذاب الٰہی سے بچنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ تو سوچ لیں۔ کہ ایسے افتراء کی موجودگی میں جب کہ عائشہ صدیقہ رضؓ نے کوئی حلف یا مباہلہ کی درخواست نہیں کی۔ نہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے صدیقہ رضؓ کو مباہلہ یا حلف کے واسطے فرمایا۔ نہ الزام دہندگان کی طرف سے مباہلہ یا حلف کا مطالبہ ہوا۔ بلکہ خدائی حکم کے مطابق چار گواہوں کا پیش کرنا الزام دہندگان کا فرض قرار دیا گیا۔ اور بصورت نہ پیش کرنے چار گواہوں کے الزام دہندگان کو عند اللہ اور عند الناس کاذب سمجھا گیا۔ اور پھر ان کو سزا تازیانہ دی گئی۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کس طرح مستریوں کے مطالبہ مباہلہ و حلف کو جو خلاف قرآن و شریعت ہے منظور کر کے حدود اللہ سے متجاوز کر کے اپنے منصب خلافت کی توہین کریں ؎

موسےٰؑ اور آنحضرتؐ پر منافقوں کے الزام

ششم۔ مولوی محمد علی امیر پیغامیاں لاہور اپنی اردو تفسیر کے صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی منافقوں نے گندے الزام لگائے۔ اور خدا نے آپؐ کو ہر الزام

سے بری فرمایا۔ چنانچہ مولوی صاحب کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ" انہی جھوٹے قصوں کی تشہیر کرنے والوں کے متعلق سورہ (احزاب) کے آخری رکوع میں یہ لفظ آتے ہیں۔ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین اٰذوا موسٰے فبرأہ اللّٰہ مما قالوا یہاں صاف بتا دیا۔ کہ نبی کریم صلعم حضرت موسیٰؑ کی طرح ان تمام باتوں سے بری ہیں۔ اور مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ بھی سمجھا دیا۔ کہ غلطی سے ایسی باتیں خود مسلمانوں کے منہ سے نکلینگی"

"اور بعض روایات میں ہے۔ کہ آپؑ پر نعوذ باللہ زنا کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور اس آخری روایت کے مطابق بائبل میں ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے ان پر ان کی کوشی بی بی کے متعلق کچھ الزام لگایا تھا۔ اور اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے۔ کہ یہ زینبؓ کے نکاح کے قصہ میں نازل ہوئی۔ تو یہ بات بھی بائبل کے بیان کی مؤید ہے۔ اور حق بھی یہی ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کا ذکر یہاں قطعاً مقصود نہیں۔ بلکہ بتانا یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلعم پر اسی طرح کا الزام لگایا گیا"

مندرجہ بالا تحریر ستریوں کے اس امیر کبیر کی ہے۔ جو بقول ان کے "جماعت احمدیہ میں کافی وقار رکھتا تھا" وہ اقراری ہے۔ کہ آنحضرتؐ پر بھی گندے الزام منافقوں نے لگائے۔ مگر مباہلہ اور حلف مؤکد بعذاب سے ان کا فیصلہ نہیں کیا۔ کیا ستریوں جیسے الزام دہندگان جو اس وقت موجود تھے۔ یہ نہ کہتے ہونگے۔ کہ "شخصی عقیدت رکھنے والی جماعتیں کبھی کسی امر پر معقولیت سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ ان کے ایمان کا دارومدار تو محض اپنے مرشد حقیقی کی ہر غلط یا صحیح آواز پر آمنا و صدقنا کا نعرہ بلند کرنا ہوتا ہے" (انکشاف حقیقت ص۲) اور کیا اب بھی وہ یہ کہیں گے۔ کہ "یہ غلط ہے کہ انبیاء پر ایسے الزامات لگے" (انکشاف حقیقت ص۳) لیکن آنحضرتؐ نے نہ تو الزام دہندگان سے مباہلہ کیا۔ نہ مؤکد بعذاب حلف کا مطالبہ ہوا۔ تو پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کس طرح ستریوں کے مباہلہ کے مطالبہ کو منظور کر کے سنت الرسول کے خلاف کریں۔

دیکھو! اسلامی زمانہ میں کبھی ایسے الزامات پر مباہلہ یا حلف کا مطالبہ نہیں ہوا۔ رسول کریم صلعم نے بھی اپنی ذات کے متعلق اس پر عمل نہیں کیا۔ نہ پہلے نبیوں میں سے کسی نبی نے ایسے الزامات پر حلف یا مباہلہ سے اپنی بریت کی۔ پھر کس طرح شریعت کے خلاف مطالبات کو پیش کر کے ان کے پورے کئے جانے کی؛ امید رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

ھفتم۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص پر بدکاری کا الزام لگایا گیا۔ الزام لگانے والوں میں ایک جلیل القدر صحابی ابو بکرہؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے الزام لگانے والوں سے چار گواہ طلب کئے۔ گواہ پیش ہوئے۔ ایک شخص نے گواہی میں کہا کہ میں نے اپنی آنکھ سے زنا کرتے نہیں دیکھا۔ اس پر دوسرے تین گواہوں کو جن میں حضرت ابو بکرہ جلیل القدر صحابی بھی تھے۔ قذف کی حد لگائی گئی۔ کوڑے مارے گئے۔ لیکن کسی نے یہ نہ کہا۔ کہ حضرتؓ جبکہ تین گواہ رویت کے ایسے ہیں۔ جن میں ایک جلیل القدر صحابی بھی ہے۔ اور چوتھا صرف کسی قدر کمزور شہادت دیتا ہے۔ ان کو کوڑے نہ لگاؤ۔ ملزم سے کہو۔ کہ وہ مباہلہ کر کے اپنی بریت کرے۔ یا حلف موکد بعذاب اٹھائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو پھر ضرور یقین کرلیں۔ کہ وہ اس الزام کے نیچے ہے۔ اور تین گواہوں کو سزا سے بری کردیا جائے۔ مگر وائے برحال ستریاں کہ حضرت عمر فاروقؓ مباہلہ کا مطالبہ تو الگ رہا۔ ملزم کو قسم بھی نہیں دیتے۔ بلکہ الزام لگانے والوں کو تو سزا سے علاوہ آئندہ کے لئے شہادت سے بھی محروم کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ لا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا ۔ حکم قرآنی کی رو سے ان کی کسی امر میں آئندہ گواہی نہ لی جائے۔ پھر بھلا فاروق ثانی حضرت فضل عمر ایدہ اللہ بنصرہ شریعت کے کس حکم کی بناء پر ستریوں کے مطالبہ مباہلہ کو منظور کریں۔ اس کی کوئی نظیر اسلامی کتب سے پیش کرو۔ جس میں الزام دینے والوں نے خلاف قرآن و حدیث و سنت خلفاء جس پر الزام لگایا ہو۔ اس کو مباہلہ کرنے یا حلف اٹھانے کے لئے کہا ہو۔ اور ان کی یہ درخواست حق بجانب اور موافق شریعت سمجھ کر قبول کی جا کر عمل میں لائی گئی ہو۔ تب بے شک خلیفۃ المسیح کو اس طریق کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ پر الزام

ہشتم۔ جس طرح حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت عائشہؓ

صدیقہ علیہم الصلوٰۃ والسلام پر منافقوں نے گندے الزام لگائے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی سیاہ رو سیاہ دل منافقوں نے الزام لگائے۔ الہام ویلٌ لھا و لبعلھا کو یاد کرو۔ کہ کس کے متعلق تھا۔ جس سے حضرت محمود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے بدترین حاسد اور سخت ترین دشمن پیغامی بھی انکار نہیں کر سکتے حالانکہ ایک الزام لگانے والے نے کہا۔ کہ اگر حضرتؑ قسم ہی کھا لیں۔ تو میں اعتبار کر لوں گا۔ مگر آپؑ نے مباہلہ فورًا الگ قسم بھی نہیں کھائی۔ پھر آپؑ کا جانشین حقیقی مباہلہ یا حلف کا مطالبہ خلاف شریعت منظور کر کے مسیح موعودؑ کے خلاف کام کرے! اور پھر خلیفۃ المسیح کہلائے اس لئے وہ ہرگز ایسا مطالبہ منظور نہیں کر سکتے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا فیصلہ

نہم۔ ایک اور واقعہ اسی قسم کا ہے۔ جسے حضرت مسیح موعودؑ نے خود فیصلہ کیا۔ اور وہ عورت جس کے متعلق جھگڑا تھا۔ اور اس کا خاوند بھی ابھی تک زندہ ہے۔ محمد افضل مرحوم ایڈیٹر بدر اور بعض دوسرے احمدی طاعون کی وجہ سے بڑی مسجد میں آ گئے تھے اس وقت ایک عورت اور ایک مرد کی نسبت زنا کا الزام لگایا گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے الزام لگانے والوں سے چار گواہ بروئے قرآن مجید طلب کئے۔ اور فرمایا۔ کہ جب تک ایسی شہادت موجود نہ ہو۔ شرعًا کوئی مجرم نہیں قرار پاتا۔ اس مقدمہ میں ایک شخص کا اقرار بھی تھا۔ اور بعض گواہ بھی تھے۔ مگر مسیح موعودؑ نے یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ جب تک چار گواہ رویت نے نہ ہوں۔ میں ان کو بری قرار دیتا ہوں۔ اس وقت تک ایک فریق اور اس کا خاوند اور بعض الزام لگانے والے جن کے سامنے یہ فیصلہ ہوا۔ زندہ موجود ہیں۔ اب بتاؤ۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الحکم ۲۴ مارچ والے خط کے حوالہ پر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت صاحب نے اس قسم کے الزام سے بریت کے لئے مباہلہ کا طریق بتایا ہے۔ اگر درست ہو تو حضرت مسیح موعودؑ کا فعل اس کے خلاف کیسے ہو سکتا تھا۔ پس قول اور فعل کو مطابق کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ فعل کو مقدم رکھ کر جو قول کے بعد واقع ہوا ہے۔ قول کے وہی معنے کئے جائیں۔ جو فعل کے خلاف نہ ہوں

ان مجید کے خلاف نہ ہوں۔ سنت رسول کے خلاف نہ ہوں۔ یا وہ معنے مراد بھی جائے۔ جو
ل مستری سمجھتے ہیں ؛

سنتِ خلفاء کا اثر قوم پر

دھم۔ انبیاء کے جانشین جو خلیفہ کہلاتے ہیں۔ ان کی حیثیت عام آدمیوں جیسی نہیں
ں۔ نہ کسی انجمن کے پریسیڈنٹ یا کسی قوم کے امیر یا کسی گاؤں کے نمبردار و ذیلدار جیسی ہوتی
کہ جن کا ہر قول وفعل دوسروں کے لئے اسوۂ نہیں ہوتا۔ خلفاء انبیاء کا ہر قول و فعل
مذہبی میں ساری قوم کے لئے نمونہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ علیکم
نتی و سنت الخلفاء الراشدین المھدیین۔ کہ میری سنت پر عمل کرو۔ اور میرے بعد
ے خلفاء الراشدین کی سنت پر چلنا۔ ایسا ہی خلافت احمدیہ کے قیام کے وقت بھی جو ۲۷ مر
۱۹۰ء کا دن تھا۔ جب حضرت نورالدین اعظم رضی اللہ عنہ کو خدا نے حضرت مسیح موعودؑ کا
اوّل بنایا۔ اُن لوگوں نے جو آج "پیغامی" کہلاتے ہیں۔ یعنے ایم۔ اے اینڈ کو کے سب ممبروں
اقرار کر کے اخبار بدر مورخہ ۲ رجون ۱۹۰۸ء میں شائع کیا۔ کہ :۔

"حضرت مولوی صاحب موصوف کا زمانہ ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ
حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا تھا "

اسی منہاج پر خلیفہ اوّلؓ کے بعد حضرت میرزا البشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہٖ کو
نے خلیفہ ثانی بنایا۔ اور آپ کو تمام جماعت نے باستثناء چند منکرین خلافت اپنا واجب
عت امام و پیشوا تسلیم کیا۔ اور آپ کے ہر قول وفعل کو جو دینی امور کے متعلق اور حضرت مسیح
اور شریعت کے ماتحت ہو۔ اپنے لئے قابل عمل سمجھا۔ ایسی صورت میں اگر حضرت خلیفۃ المسیح
رض مستریوں کے مطالبہ مباہلہ یا حلف کو جو صریح قرآن وحدیث وسنت رسول وسنت خلفاء
ئے اُمّت اور سنت مسیح موعودؑ کے خلاف ہے منظور فرما کر عمل کریں۔ تو آئندہ تمام قوم اور آنیوالے
کے لئے قیامت تک ایک ایسا غلط طریق ایجاد کر دیں۔ جو سب کے لئے بطور نظیر قرار پا کر ہر
قع پر کہ جب کبھی کوئی بدمعاش کسی پر اس قسم کے الزام لگائے۔ وہ اس نظیر کو پیش کر کے اس کو

مباہلہ یا حلف کی طرف بلائیں۔ اور بصورت انکار اس کو ملزم سمجھ لیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ سار
جماعت اور سلسلہ کو ایک ابتلاء میں ڈال دیں۔ پس اس مطالبہ جدیدہ کو منظور کرنا نہایت بڑ
اثر اور بد نتیجہ کے پیدا ہونے کا موجب ہے۔ جو صریح گناہ ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح نے با
عبد الحمید صاحب کے جواب میں یہی لکھا تھا۔ کہ "الفاظ قرآن فتوائے رسول صلعم سنت رسول صلع
اور عمل خلفاء و اجماع اُمت و فیصلہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد جو شخص ایک نیا طریق اختیار کر
ہے۔ اس کی نفسانیت اور شریعت کی بے حرمتی کی وجہ سے میں اس کا تابع نہیں ہو سکتا۔ اس
زیادہ شریعت کی بے حرمتی نا ممکن ہے۔ اور میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ اور میں اس مطالبہ کو ا
تو الگ رہی ہر ایک شریف انسان کی خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ہتک سمجھتا ہوں"

علاوہ ازیں حضور نے اس خط میں بابو عبد الحمید صاحب کو یہ بھی لکھا تھا۔ کہ "جس امر کو شریعت
ناجائز قرار دیتی ہے۔ جس امر کو انسانی شرافت ہتک سمجھتی ہے۔ میں اس کام کو کرنے کے لئے تیار نہیں
ہوں۔ مجھے خلافت کے علاوہ بھی خدا تعالیٰ نے عزت دی ہے۔ ایک معزز خاندان سے پیدا کیا ہے
اور میری خاندانی شرافت بھی ایسے کمینے حملوں کی طرف توجہ کرنے سے مانع ہے۔ اور میرا مذہبی مقام
مجھے ان باتوں کا وہ جواب دینے سے منع کرتا ہے۔ جس جواب کے سوا ان حد سے گذرے ہوئے
لوگوں کو کوئی اور جواب تسلی نہیں دیا کرتا"

پھر اسی خط میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے مباہلہ سے انکار کے وجوہات میں ارقام فرمایا
تھا۔ جس کا اوّل و آخر چھوڑ کر مستریوں نے بد دیانتی سے صرف اتنا فقرہ لکھدیا۔ کہ میاں صاحب نے
مباہلہ سے بے وجہ ہی انکار کر دیا۔ اور لکھدیا کہ "ایسا مباہلہ شریعت کے بالکل برخلاف ہوگا" حالانکہ
حضور نے مدلل طور پر لکھا تھا۔ کہ:۔

"یاد رکھیں۔ کہ مباہلہ صرف انہی امور کے متعلق ہو سکتا ہے۔ جو اصولی ہوں۔ اور جن کے متعلق
شریعت نے کوئی اور طریق فیصلہ نہ بنایا ہو۔ جو امور کہ معاملات سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہمیں
مباہلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا مباہلہ شریعت کے برخلاف ہوگا۔ عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتی۔
کہ الزام لگانے والے کے مقابلہ میں انسان مباہلہ کرے۔ کیا کوئی بھی شریف آدمی جسے ذرا بھی عزت
خدا تعالیٰ نے دی ہو۔ یہ پسند کرے گا۔ کہ وہ ایسے امور میں مباہلہ کرے۔ اس طرح کئی شریر النفس

لوگ روز اٹھکر لوگوں پر الزام لگا دینگے۔ اور جب انہیں ملامت کی جائے۔ تو کہدینگے۔ کہ ملامت اور غصہ کی بات نہیں۔ مباہلہ کرلو۔ اگر کسی شریف انسان سے ایک بدمعاش جاکر یہ کہدے۔ کہ اس کی بیوی سے اس نے زنا کیا ہے۔ تو وہ آدمی اس پر ناراض ہوگا۔ یا اپنی بیوی سے جاکر کہے گا۔ کہ اس نیک بخت سے کھڑی ہوکر مباہلہ کر۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا۔ کہ دنیا میں سے ایک بھی شریف آدمی ایسا ملیگا۔ جو ایسے موقعہ پر اس الزام لگانے والے سِفلہ اور کمینہ انسان پر اظہار خفگی کی بجائے بڑے اطمینان سے اپنی بیوی کے پاس لے جائیگا۔ اور جاکر اس سے یہ مطالبہ کریگا۔ کہ تو اس سے مباہلہ کر۔ اس راستہ کو کھولکر دیکھو۔ کہ دنیا میں کسی شخص کی بھی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ پس یہ طریق عقل کے بھی بالکل برخلاف ہے۔ اور کسی شریف انسان سے اس کا مطالبہ کرنا اس کی ہتک کرنا ہے"۔

اس تحریر کو دیکھو۔ کہ کیا اس میں حضرت صاحب نے بلاوجہ ہی ایسے مباہلہ سے انکار کیا ہے اور اس کو خلاف شریعت بغیر دلیل کے فرمایا ہے۔ یا مدلّل کرکے سمجھایا ہے۔ پھر اسی خط میں دوسری جگہ یہ لکھا ہے۔ کہ "شریعت نے مختلف امور کے لئے مختلف ذرائع فیصلہ کے مقرر کئے ہیں۔ ان سے باہر جاکر انسان اپنا جوش خواہ نکال لے یا دنیا کے سامنے سرخرو ہو جائے۔ لیکن خدا تعالےٰ کی نظر میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں"۔ لہذا ظاہر ہے۔ کہ اگر ایسا بے حقیقت اور خلاف شریعت مباہلہ کیا بھی جائے۔ جس کی خدا کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔ تو اُس مباہلہ پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خلاف شریعت ہونے کی وجہ سے خدا کی ناراضگی کا موجب ہوگا۔ اور اپنوں اور بیگانوں کی ہنسی کا باعث۔ پس بوجوہات بالا کس طرح مستریوں کا مطالبہ مباہلہ یا حلف حضورؑ منظور کر سکتے ہیں۔ آخر کوئی دلیل شرعی بتاؤ۔ کہ کس بناء پر یہ طریق ایجاد ہو سکتا ہے۔ جو سراسر گناہ ہے۔

مستریوں کے مطالبہ حلف کا جواب

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ۔

مستریوں کی طرف سے مباہلہ کے علاوہ ایک حلف مؤکد بعذاب کا بھی مطالبہ ہے۔ اگرچہ مباہلہ

کے متعلق جو ان کی علمی پردہ دری اور بفضلہ کی گئی ہے۔ اس میں مطالبہ حلف کے ناجائز اور
شریعت ہونے کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ لیکن ان کے محررین اشتہار اور پشت پناہوں نے چونکہ حلف
کے مطالبہ کی بنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک حوالہ پر رکھی ہے۔ جس میں حضرت اقدس
نے آتھم کو قسم کی دعوت دی تھی۔ اس لئے مناسب سمجھ کر میں نے علیحدہ بھی ان کی سخن فہمی کی
داد دینے اور ان کی مولویت کے دستار کو تار تار کرنے کے لئے کچھ مختصر لکھنا ضروری سمجھا۔ مستری
اپنے اشتہاروں میں لکھتے ہیں۔ کہ

"جناب مرزا صاحب ایسے معاملات میں (یعنی انکے مبین جیسے الزامات میں۔ فاروقی)
موکد بعذاب حلف کے بھی مؤید ہیں۔ اور اس کو ہی ایک فیصلہ کن طریق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ
آپ نے پادری آتھم کو کہا۔ کہ تم میعاد پیشگوئی میں ڈر گئے تھے۔ اگر تم نہیں ڈرے تو قسم کھاؤ۔ یہ
کوئی صداقت اسلام یا صداقت احمدیت کا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ ایک جزئی بات تھی۔ جس کیلئے
آپ نے حلف کا مطالبہ فرمایا۔"

(انکشاف حقیقت صفحہ ۷)

پیغامیوں کی سخن فہمی

یہ ان لوگوں نے اگر نادانستہ لکھا ہے۔ تو جہالت ہے۔ اور اگر
جان بوجھ کر لکھا ہے۔ تو بے ایمانی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود
ایسے گندے الزامات کے فیصلہ کا یہ طریق بھی لکھا ہے۔ کہ جس پر الزام لگایا جائے۔ اس کو
حلف موکد بعذاب سے اپنی بریت کرنی چاہیئے۔ یہ بالکل جھوٹ اور محض افتراء ہے۔ حالانکہ
خود ہی اقراری ہیں۔ کہ آتھم کو اس امر پر قسم دینا چاہتے تھے۔ کہ وہ میعاد پیشگوئی میں ڈرا
ہے یا نہیں۔ بھلا کجا کسی کو یہ کہنا۔ کہ تو اسلامی پیشگوئی سے اگر دل میں نہیں ڈرا تو قسم کھا
کیونکہ خوف کا تعلق دل سے ہے نہ کہ چشم دید شہادت سے۔ اور کہاں ایسا الزام جو رویت سے ثا
کرنا ضروری ہے :

اور دوسری جہالت یا حماقت ان کا یہ کہنا ہے۔ کہ عبد اللہ آتھم کو جس امر کے متعلق
قسم دی جاتی تھی۔ وہ کوئی صداقت اسلام یا صداقت احمدیت کا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ ایک جزئی

بات تھی" واقعی یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ حق کی دشمنی اور صادقوں کی مخالفت سے تمام علم مسخ ہو کر عقل ماری جاتی ہے۔ اور ایسا انسان اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ کس قدر بدیہی بات ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کے حق میں جو پیشگوئی کی تھی۔ اس کی نسبت خود حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ کہ "میں اب ڈپٹی آتھم صاحب سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا۔ تو یہ خدا کی پیشگوئی ٹھہر یگی یا نہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارے میں محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں۔ اب اگر میں جھوٹا ہوں۔ تو میرے لئے سُولی تیار رکھو۔ اور اگر میں سچا ہوں۔ تو انسان کو خدا مت بناؤ" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صلا) بتاؤ کہ یہ صداقت اسلام اور صداقت مسیح موعودؑ کا مسئلہ تھا یا بقول مستریان یہ کوئی صداقت اسلام کا مسئلہ نہ تھا؟

الغرض جب آتھم حسب شرط پیشگوئی رجوع کر کے میعاد پیشگوئی کے اندر فوت نہ ہوا تو عیسائیوں اور ان کے نیم عیسائی بھائیوں نے ایک طوفان بے تمیزی مچا دیا۔ کہ دیکھو مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ آتھم زندہ ہے مرا نہیں۔ تب حضرت مسیح موعودؑ نے یہ اعلان کیا۔ کہ مجھے بذریعہ الہام خدا تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔ کہ آتھم پر پیشگوئی کا رعب پڑا۔ اور وہ خدا سے ڈرا۔ اس لئے پیشگوئی کی رجوع والی شرط سے اس نے فائدہ اٹھایا۔ اور اس کی موت میں اس وقت تک کہ وہ بیباکی سے تکذیب پیشگوئی کی طرف مائل ہو مہلت دیگئی؟

جب خدا سے یہ اطلاع پاتے ہی حضرت مسیح موعودؑ نے فوراً اشتہار شائع کر دیا۔ کہ خدا نے مجھے الہام سے اطلاع دی ہے۔ کہ آتھم پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہیبت الٰہی اور اسلامی پیشگوئی سے ڈر کر دل سے مسیحیت کا قائل نہ رہا۔ بلکہ اس خدا سے جو حقیقی خدا ہے ڈر گیا۔ اس لئے وہ موت سے بچ گیا۔ جیسا کہ پیشگوئی کا مفہوم تھا۔ تو اس اشتہار کے نکلنے پر آتھم کی طرف سے عیسائیوں اور نیم عیسائیوں نے اعلان کیا۔ کہ یہ غلط ہے آتھم بالکل پیشگوئی سے نہیں ڈرا۔ نہ وہ اسلام کے خدا کی طرف ذرا بھی دل میں مائل ہوا۔ تو مرزا

صاحب اس کا ثبوت دیں۔ کہ وہ دل میں مائل بہ اسلام ہو گیا۔ اور پیشگوئی سے ڈرتا رہا۔

اب دیکھو! کہ اگر عیسائیوں کے قول کے مطابق یہ بھی صحیح ہو۔ کہ آتھم دل سے الوہیت مسیح کا ہی قائل رہا۔ اور پیشگوئی نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔ نہ اس نے دل میں رجوع کیا۔ تو حضرت اقدس کی پیشگوئی جھوٹی ہو کر جہاں ایک طرف اسلام اور بانی اسلام کے معاذاللہ کذب پر دلیل ہوتی ہے۔ ساتھ ہی دوسری جانب حضرت مسیح موعودؑ کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ کہ پیشگوئی جھوٹی تھی۔ اور یہ محض حیلہ بنایا گیا ہے۔ کہ آتھم دل میں ڈر گیا۔ اور حسب شرط رجوع مندرجہ پیشگوئی بچ گیا۔ کوئی الہام وغیرہ اس کے ڈرنے کے متعلق خدا نے نہیں کیا۔

پس ایسی صورت میں حضرت اقدسؑ آتھم کے دل کی حالت کو کس خارجی شہادت اور انسانی گواہ کے ذریعے ثابت کر سکتے تھے۔ کہ واقعی حضرت اقدسؑ کو خدا نے اپنی وحی کے ذریعہ اس کی دلی کیفیت کا پتہ دیا ہے۔ اور اگر یہ امر ثابت نہ کیا جاتا۔ تو یقیناً حضرت اقدسؑ اور اسلام کی سچائی ظاہر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کو "ایک جزئی بات" کہنا کسی یہودی یا عیسائی ہی کا کام ہے۔ کوئی مسلمان خصوصاً احمدی کہلانے والا تو کبھی بھی اس کو "جزئی بات" نہیں کہہ سکتا۔ جبکہ حضرت اقدسؑ خود اس کو اسلام کی اور اپنی صداقت کا مسئلہ بتاتے ہیں ۔

سنو! حضرت صاحب آتھم کو خط میں لکھتے ہیں۔ کہ "اگر نعوذ باللہ یہ الہام الٰہی آپ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تو میں آپ کو اس ذات پاک کی قسم دیتا ہوں۔ جس نے آپ کو پیدا کیا۔ کہ عام جلسہ میں تین مرتبہ قسم کھا کر میرے روبرو اس کی تکذیب کر دیں۔ کہ یہ الہام جھوٹا ہے۔ اور اگر سچا ہے تو اسے قادر غیور خدا مجھ کو سخت سزا دے۔ تب میں آمین کہوں گا۔ اور رب العرش سے چاہوں گا۔ کہ میرا اور آپ کا قطعی فیصلہ کر دے۔ جو کچھ میں نے الہام سنایا ہے مجھ خدا تعالےٰ اور میرے اور آپ کے دل کے اور

کسی کو خبر نہیں ۔ سو میں اسی مالک کی آپ کو قسم دیتا ہوں ۔ کہ اگر آپ میرے الہام کے مکذب ہیں ۔ تو میرے روبرو حلفاً اقرار مذکور کر کے آسمانی فیصلہ کا دروازہ کھولدیں "
(تبلیغ رسالت حاشیہ صـ۱۳۱ جلد ۳)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔ "کہ قسم کے نہ کھانے سے یہ ثابت ہوگا ۔ کہ عظمت اسلام ضرور ان کے دل میں سما گئی ۔ اور عیسائیت کے باطل اصول ان کی نظر میں حقیر معلوم ہوئے " (حاشیہ جلد ۳ تبلیغ رسالت صـ۱۳۴)

مستریو! "انکشاف حقیقت" لکھنے والو ۔ اب بتاؤ ۔ کہ یہ حلف کسی "جزئی بات" پر دی جاتی تھی یا اسلام اور احمدیت کی صداقت کا مسئلہ تھا؟

حضرت مسیح موعودؑ نے جب آتھم کو کہا ۔ کہ وہ حلف موکد بعذاب سے اس بات کا اقرار کرے ۔ کہ اسلامی ہیبت اور پیشگوئی کی عظمت اور اسلام کی صداقت نے اس کے دل پر اثر نہیں کیا ۔ بلکہ وہ پورے یقین کے ساتھ مسیح کو ابن اللہ اور خدا مانتا اور اسلام کو جھوٹا مذہب جانتا رہا ۔ تو اس کو اس حلف کا معاوضہ بھی ہم ایک ہزار ۔ دو ہزار ۔ تین ہزار ۔ چار ہزار روپیہ تک پہلے دینگے ۔ لیکن آتھم نے قسم کھانے سے اس بے بنیاد عذر پر انکار کر دیا ۔ کہ عیسائی مذہب میں قسم کھانا منع ہے ۔ تو حضرت صاحبؑ نے انجیل و توریت سے اس کا ثبوت دیا کہ مذہب عیسائی میں قسم کھانا منع نہیں ہے ۔ بلکہ جائز ہے :

اسی اشتہار چار ہزاری کا مندرجہ ذیل وہ حوالہ ہے ۔ جس کو مستریان مثین سیوبال نے اپنی حماقت سے پیش کر کے حلف موکد بعذاب کا مطالبہ کیا ہے ۔ اس اشتہار میں حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کو بتایا ہے ۔ کہ تم پر ہمارا یہ الزام ہے ۔ کہ تم پیشگوئی کے ایام میں ہیبت اسلام سے ڈر کر رجوع بحق ہوئے ۔ اور مسیحیت کا عقیدہ تمہارے دل میں نہ رہا ۔ اس لئے تم موت سے بچ گئے ۔ اگر یہ صحیح نہیں ہے ۔ تو حلف موکد ہمارے روبرو کھا کر اس الزام کو اپنے سر سے اٹھاؤ ۔ کیونکہ :۔

"ایک راستباز انسان جب کسی الزام اور شبہ کے نیچے آجاتا ہے۔ اور کوئی انسانی گواہی قابل اطمینان پیش نہیں کر سکتا۔ تو بالطبع وہ خدا تعالیٰ کی گواہی سے اپنی راستبازی کی بنیاد پر مدد لیتا ہے۔ اور خدا کی گواہی یہی ہے۔ کہ وہ اس کی ذات کی قسم کھاکر اپنی صفائی پیش کرے"

اوپر کے جلی الفاظ مستریوں کے مطالبہ کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ایسے الزامات جن کا طریق فیصلہ قرآن مجید میں مُصَرّح نہیں ہے۔ ان سے علاوہ جو الزام ہوں۔ اور ان کے واسطے کوئی انسانی گواہی قابل اطمینان نہ میسّر ہو۔ جیساکہ آتھم والے معاملہ میں حضرت صاحب کے پاس اس کے خوف زدہ ہونے پر الہام الٰہی کی شہادت کے سوا کوئی انسانی گواہی موجود نہ تھی۔ تو ایسے معاملات میں حلف موکّد بعذاب سے فیصلہ کیا جائے۔

سو اس حوالہ کی رُو سے اُن الزامات کا بھی فیصلہ چاہنا۔ جن کا قرآن شریف نے نہایت صراحت کے ساتھ طریق فیصلہ بیان کیا ہو۔ جیسے کہ یرمون المحصنٰت اور یرمون ازواجھم کی آیات میں مندرج ہے۔ خدا اور رسول کے خلاف عمل کرنا اور شریعت اسلامی سے باہر نکلکر نئی شریعت کی بنیاد ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ پس عبد اللہ آتھم والی قسم کو نظیر میں پیش کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ سے مطالبہ حلف کرنے والا نہ صرف جاہل ہے۔ بلکہ جہل مرکّب ہے۔ جس کو اتنی بھی خبر نہیں۔ کہ آتھم کو قسم دینا۔ صداقت احمدیت اور صداقت اسلام کے لئے تھا۔ نہ کہ کوئی "جزئی بات"۔ البتہ آتھم کے چال چلن پر اگر کوئی ایسا الزام لگایا جاتا جس کے متعلق شریعت نے طریق فیصلہ مقرر کر دیئے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ باوجود اس طریق فیصلہ کے موجود ہونے کے پھر اس الزام کے متعلق آتھم سے حلف موکّد بعذاب کا مطالبہ فرماتے۔ تو اس صورت میں آتھم کا معاملہ بطور نظیر کے پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آتھم پر حضرت اقدسؑ کی طرف سے کوئی ایسا الزام نہ لگایا گیا تھا۔ جس کا طریق فیصلہ شریعت میں موجود ہو۔ اور پھر حضرت صاحب نے یہ طریق حلف کا اس کے لئے مقرر کیا ہو ؛

دعا کرو اور خدا سے ڈرو

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ خدا نے مجھ جیسے ناتوان اور ضعیف انسان سے یہ خدمت لی اور مجھے توفیق عطا فرمائی۔ کہ میں نے محض رضاء الٰہی کے لئے بڑی محنت سے اس مضمون کو لکھا۔ اب دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس کو مفید اور نافع الناس بنائے۔ اور میری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین۔ مستریوں کے اہم مطالبات کا میں نے بفضلہ تعالےٰ پورا جواب دیدیا ہے ۔ اس کے بعد اگر ان کو یا ان کے کسی حمایتی کو جرأت ہوئی ۔ کہ اس کے خلاف قلم اٹھائے تو انشاء اللہ اس پر بھی پوری مستعدی سے نظر ڈالوں گا۔ اور جواب دوں گا۔ باقی جو فضولیات ان کے اشتہاروں میں ہیں۔ وہ اس قابل نہیں۔ کہ ان پر التفات کیا جائے۔ مگر تاہم میں آئندہ اشاعتوں میں ان پر بھی انشاء اللہ توجہ کروں گا۔ تاکہ ان کا ارمان باقی نہ رہے۔

اب میں اس مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اس خط کے ایک آخری مضمون پر ختم کرتا ہوں۔ جو حضور نے بابو عبد الحمید صاحب کے جواب میں ۱۶ صفحہ کا لکھا تھا۔ مستریوں کے لونڈوں کو حضور نے نہ کبھی منہ لگایا۔ نہ وہ اس قابل تھے۔ کہ ان کو مخاطب کیا جائے۔ زاہد اور عبد الکریم کو اپنی قیمت معلوم ہے۔ اور میں ان کو بتا دیتا ہوں۔ کہ

"ایاز قدر خود بشناس"

وہ مہردین اور اس جیسوں کے جلیس بنے رہیں۔ یہ رفاقت ان کو مبارک ہو۔ کہ وہ پہلے پیغامی بنے تھے۔ اب مرتد ہوتے جا رہے ہیں۔ عنقریب

دہریہ بن جائینگے

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہٖ نے بابو عبد الحمید صاحب شملوی کو اپنے ۱۲ر اکتوبر ۲۷ء کے گرامی نامہ میں فرمایا تھا۔ کہ "اگر مباہلہ جائز ہوتا۔ تو مجھے مباہلہ سے عذر نہ ہوتا۔ لیکن انسانیت اور شریعت دونوں اس قسم کے مباہلہ سے روکتی ہیں۔ پس میں اس ناجائز فعل پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر پچھلے نشانات (صداقت) آپ کے لئے کافی نہیں تو کہتا ہوں

کہ نفسانیت سے الگ ہو کر خدا تعالےٰ سے دعا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کا سینہ کھولدے (الحمدللہ کہ بابو صاحب نے اس خط کے بعد جلد توبہ کرلی۔ فاروق) جس طرح عذاب خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے۔ رحمت بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے آتی ہے۔ پس بجائے عذاب سے ہدایت کی تلاش کرنا جو ناممکن ہے۔ رحمت سے خدا تعالےٰ کی ہدایت طلب کریں۔ ہدایت کا یہی ایک راستہ ہے"

دُعاء مباہلہ

"آخر میں مَیں یہ بھی کہدینا چاہتا ہوں۔ کہ بعض امور میں مباہلہ جائز بھی ہوتا ہے اگر بعض لوگ بغیر خدا کے غضب کو بھڑکانے کی تسلّی نہ پائیں۔ اور میری اس نصیحت (بالا) کو قبول نہ کریں۔ تو پھر میں کہتا ہوں۔ کہ یہ مسئلہ اس طرح بھی حل ہو جاتا ہے۔ کہ میں اس خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں جزاء اور سزا ہے۔ اور ذلّت و عزت ہے۔ کہ میں اس کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں۔ اور جو لوگ میرے مقابل پر کھڑے ہیں۔ اور مجھ سے مباہلہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ اس کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف کر رہے ہیں۔ اگر میں اس امر میں دھوکہ سے کام لیتا ہوں۔ تو اے خدا تو اپنے نشان کے ساتھ صداقت کا اظہار فرما اب جس شخص کو دعویٰ ہو۔ کہ وہ اس رنگ میں میرے مقابل پر آنے میں حق بجانب ہے۔ وہ بھی قسم کھالے۔ اللہ تعالےٰ خود فیصلہ کر دیگا"

پس یہ میرا خط آپ کی تسلی نہ کرے۔ تو آپ کا اصل فرض یہ ہونا چاہیئے۔ کہ دوسرا خلیفہ کھڑا کر دیں۔ جو اپنے تقویٰ اور نیکی سے دنیا کو اپنی طرف کھینچ لے۔ پھر جو میرے مبائع ہیں۔ ان کو بھی خود بخود ہوش آجائیگی۔ اور آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔ لیکن یاد رکھیں۔ کہ خدا کے کام کو کوئی نہیں روک سکتا۔ خدا تعالےٰ میری مدد کریگا۔ اور میرے ہاتھ پر اسلام کو فتح دیگا۔ درمیانی ابتلاء اس کی سنت ہیں۔ اور میں ان سے نہیں گھبراتا۔ وہ خود سلسلہ کا رکھوالا ہے۔ اور وہ خود اس کی حفاظت کریگا۔ میرا اتقا علیہ

انسان کو دہریت سے ورے نہیں رکھے گا۔ خدا تعالےٰ کے اس قدر نشانوں کا انکار ایمان کو ضائع کر دینے کے لئے کافی ہے" (۱۴ر اکتوبر ۲۷ء مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ)

خط کے اس حصہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی خلافت خدا کی مقرر کردہ خلافت بیان فرمائی ہے۔ جو سورہ نور کی آیت استخلاف کے ماتحت ہے۔ جس کی رُو سے خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کے لئے ایمان اور اعمال صالح اور تمکین دین اور امن بعد الخوف اور خالص خدا تعالےٰ کی عبادت اور ہر قسم کے شرک سے پاک ہونا شرط ہے۔ اور اس کے منکروں کو فاسق بتایا گیا ہے۔ پس جو شخص اس بات کا مدعی ہے۔ کہ وہ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ برحق ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے اس کو اس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ اس میں لازماً وہ تمام شرائط جو خدا تعالےٰ نے خلفاء کیلئے فرمائی ہیں موجود ہونگی۔ تب ہی تو خدا تعالےٰ نے اس کو خلیفہ بنایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا اس بات پر مباہلہ کرنا۔ کہ وہ خدا کے برحق خلیفہ ہیں۔ اور خدا نے ان کو اس منصب پر کھڑا کیا ہے۔ اپنے اندر ان تمام شرائط کے پائے جانے کو بھی مستلزم ہے۔ جو ایک سچے خلیفہ کے لئے ضروری ہیں۔ پاکیزگی اور طہارت کے بیان کرنے کا خدا تعالےٰ اور اس کے انبیاء نے یہ طریق کبھی اختیار نہیں کیا۔ کہ ہر گندے الزام اور عیب کو اپنی طرف منسوب کر کے پھر اس کی نفی کریں ؎

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

مستریوں کے چند عذرات کا ازالہ

مستری "انکشاف حقیقت" کے صفحہ ۷ کالم ۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ "کہا جاتا ہے۔ کہ بجائے چال چلن پر مباہلہ کرنے کے خدا کے مقرر کردہ خلیفہ برحق ہونے پر مباہلہ کرنا کافی ہے۔ اور زیر بحث معاملہ کا مفہوم بھی اس میں آ جاتا ہے" مستری فضول یاوہ گوئی سے اس پیالہ کو ٹلاتے ہیں۔ اور اس صاف اور سیدھی راہ سے گریز کر کے وہ بیہودہ یہ عذرات پیش کرتے ہیں۔ کہ :-

عذر اوّل :- اگر یہی بات درست ہوتی" کہ الزام کے متعلق مباہلہ نہ کیا جائے۔ بلکہ اصل دعویٰ خلافت پر مباہلہ ہونا چاہیئے۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کو مولوی اسمٰعیل علیگڈھی کے ساتھ "آلات نجوم پر مباہلہ کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ پادری آتھم سے مؤکد بعذاب حلف کا مطالبہ کیا معنے رکھتا تھا۔ کیا اس وقت مسیح موعودؑ یہ نہ کہہ سکتے تھے۔ کہ میں ان الزامات کے مقابلہ میں اس امر پر مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔ کہ میں خدا کا مامور اور مسیح موعودؑ ہوں۔ اگر میں خدا کی نگاہ میں اپنے دعویٰ ماموریت

میں سچا ہُوا۔ اور اس نے اپنے عذاب سے مجھے ایک سال تک محفوظ رکھا۔ تو اے لوگو تم نے نتیجہ نکال لینا۔ کہ میرے پاس آلات نجوم نہیں ہیں۔ اور پادری آتھم واقعی پیشگوئی سے ڈر گیا تھا“ کیا آپ کو یقین نہیں۔ کہ بانی سلسلہ دینی امور میں زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ اگر قادیانی اصحاب کے نزدیک انہوں نے (یعنی مسیح موعودؑ نے) غلطی ہی کی۔ تو کیا آخر وقت تک خدا تعالےٰ نے ان کو اس غلطی پر آگاہ نہ کیا۔ اور غلطی بھی وہ جو بعد کے خلفاء کے لئے ذلّت کا موجب ہونی تھی“ یہ ہے مستریوں کا عذر اوّل۔ اس کا جواب سنئے!

ہمارا جواب

افسوس کہ ان نا اہل پمفلٹ نویسوں کو اتنی بھی خبر نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے مولوی اسمٰعیل والا واقعہ کس زمانہ کا لکھا ہے۔ آیا اس زمانہ میں حضرت اقدس کا مباہلہ کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ اور اس وقت وہ اپنے دعویٰ کی صداقت کے متعلق مباہلہ کرنا ضروری سمجھتے تھے یا نہیں؟ سو واضح ہو کہ اسمٰعیل والا قصہ آلات نجوم کا اس وقت پیش آیا تھا۔ جب کہ آپؑ نے اپنے دعویٰ کے متعلق کوئی کتاب بطور دلائل و اثبات دعویٰ تصنیف نہیں فرمائی تھی۔ اور سب سے پہلے کتاب ”فتح اسلام“ میں اس واقعہ کا ذکر لکھا ہے۔ اور یہ کتاب وہ ہے۔ جس کے بعد دوسری کتابیں ایک ”توضیح مرام“۔ دوسری ”ازالہ اوہام“ خاص اپنے دعویٰ کے ثبوت میں تحریر فرمائیں۔ اور اس کتاب کے آخر میں اعلان کیا۔ کہ ”جو کچھ اس عاجز نے مثیل مسیح کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ مضمون متفرق طور پر تین رسالوں میں درج ہے۔ فتح اسلام۔ توضیح مرام۔ ازالہ اوہام۔ پس مناسب ہے۔ کہ جب تک کوئی صاحب ان تینوں رسالوں کو غور سے نہ دیکھ لیں۔ تب تک کسی مخالفانہ رائے ظاہر کرنے کے لئے جلدی نہ کریں“ بھلا غور کرو۔ کہ جب تک حضور نے اپنے دعویٰ کے متعلق ابھی دنیا کے سامنے کوئی ثبوت ہی نہیں پیش کیا۔ تو اپنی صداقت پر مباہلہ کس بناء پر کر سکتے تھے۔ اور آلات نجوم کا الزام مولوی محمد اسمٰعیل نے اس پہلے رسالہ ”فتح اسلام“ کی تصنیف سے بھی پہلے لگایا تھا۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے اسی رسالہ کے حاشیہ صفحہ ۱۹ میں مولوی اسمٰعیل کا یہ الزام بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے۔ کہ ”سید احمد عرب جن کو میں ثقہ جانتا ہوں۔ وہ مجھ (اسمٰعیل) سے بلا واسطہ بیان کرتے تھے۔ کہ میں دو ماہ تک ان کے پاس معتقدین خاص کے زمرہ میں رہا۔ اور وقتاً فوقتاً بنظر امتحان ہر ایک وقت خاص پر حاضر رہ کر جانچا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ درحقیقت ان کے پاس آلات نجوم موجود ہیں۔ وہ ان سے کام لیتے ہیں۔ مجھے فقرات الہام پر غور کرنے سے ہرگز یقین نہیں آتا۔

کہ وہ الہام ہیں" (فتح اسلام طبع دوم جولائی ۱۸۹۷ء)

دیکھو اس الزام میں مولوی اسمٰعیل نے اس شخص کا نام بتایا ہے۔ جس کی چشم دید رویت پر اس نے یقین واعتماد کیا ہے۔ برخلاف اس کے مستریوں نے کسی چشم دید گواہی کو نہ پیش کیا۔ نہ اس رویت کے گواہ کا نام لیا۔ آگے حضرت صاحبؑ نے اسمٰعیل کے اس الزام کا یہ جواب ارقام فرمایا ہے" تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ میری طرف سے درحقیقت یہی جواب ہے۔ جو میں نے آیات ربّانی کے ذریعہ لکھ دیا۔ اور مجھے ہرگز یاد نہیں۔ کہ وہ سید احمد صاحب کون بزرگ تھے۔ جو دو ماہ تک میرے پاس رہے۔ اس بات کا بار ثبوت مولوی صاحب کے ذمہ ہے۔ کہ ان کو میرے روبرو پیش کریں۔ تا پوچھا جائے۔ کہ انہوں نے کن آلات کو مشاہدہ کیا تھا" بتلاؤ کہ اس کے سوا اور کیا جواب ہوتا۔ کہ اس الزام کا بار ثبوت اسمٰعیل کے ذمہ ہے۔ وہ اس گواہ کو پیش کرے یا بروئے قرآن مباہلہ کرے۔ تا معلوم ہو جائے۔ کہ خدا مجھ پر الہام کرتا ہے یا نجوم سے میں پیشگوئیاں کرتا ہوں۔ ابھی وہ وقت ہی نہ آیا تھا۔ کہ آپ مسیح موعود ہونے پر مباہلہ کرتے۔ کیونکہ آپ جس وقت علی گڈھ تشریف لے گئے تھے۔ اور اسمٰعیل مذکور سے ملے تھے۔ اس وقت آپ کا دعویٰ مثیل مسیح ہونے کا تھا نہ کہ مسیح موعود ہونے کا۔ پھر بھلا جس دعویٰ کے آپ اس وقت مدعی ہی نہ تھے۔ اس پر وہ مباہلہ کیسے کرتے؟

ماسوا اس کے آپ اسمٰعیل والے واقعہ سے بہت مدت بعد فروری ۱۸۹۱ء تک یہ دعوے کرتے تھے۔ کہ" اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ سو میں اسی الہام کی بنا پر اپنے تئیں وہ موعود سمجھتا ہوں۔ جس کو دوسرے لوگ غلط فہمی کی وجہ سے مسیح موعود کہتے ہیں۔ یہ میرے الہامات اور مکاشفات کا خلاصہ ہے۔ جو میرے رگ و ریشہ میں رچا ہوا ہے۔ اور ایسا ہی اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ جیسا کتاب اللہ پر۔ اور اسی اقرار اور انہیں لفظوں کے ساتھ میں مباہلہ بھی کروں گا۔ لیکن امور مفصلہ ذیل کا تصفیہ ہونا لازم ہے۔ اوّل یہ کہ چند مولوی صاحبان جیسے مولوی نذیر حسین صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری بالاتفاق یہ فتویٰ لکھدیں۔ کہ ایسی جزئیات خفیفہ میں اگر الہامی یا اجتہادی طور پر اختلاف واقع ہو۔ تو اس کا فیصلہ بذریعہ مباہلہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں جزئی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کو لعنتوں کا نشانہ بنانا ہرگز جائز نہیں۔

اب یہ نئی بات نکلی ہے۔ کہ ایسے اختلافات کے وقت میں ایک دوسرے پر لعنت کریں۔ اور بد دعا کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل ۱۵۹ تا ۱۶۱)

پس حضرت مسیح موعود تو ۱۸۹۱ء تک یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ آپ کا دعویٰ جزئی اختلاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر مباہلہ جائز نہیں۔ پھر وہ آلات نجوم والے علی گڈھی سے اپنی صداقت پر کس طرح مباہلہ کرتے لہٰذا مستریوں کا یہ کہنا۔ کہ حضرت صاحب نے کیوں اپنے مسیح موعودؑ ہونے پر مباہلہ نہ کیا۔ اور آلات نجوم پر مباہلہ چاہا۔ نری حماقت اور بطالت ہے ؛

پھر اسمٰعیل والے مباہلہ کی نسبت بھی اسی اشتہار میں حضرت صاحبؑ فرماتے ہیں۔ کہ "ہاں اگر ایک شخص، بوجہ تہمت کی راہ سے کسی فسق و معصیت کا الزام لگایا جائے۔ جیسا کہ مولوی اسمٰعیل ساکن علی گڈھ نے اس عاجز پر لگایا تھا۔ کہ نجوم سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کا نام الہام رکھتے ہیں۔ **تو مظلوم کو حق پہنچتا ہے۔ کہ** مباہلہ کی درخواست کرے" (تبلیغ جلد اوّل ۱۶۱) بنابریں حضرت مسیح موعودؑ کے اس واقعہ کو پیش کر کے حضرت خلیفة المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ سے مباہلہ کا مطالبہ کرنا اپنی کورچشمی اور سیاہ باطنی اور بیوقوفی کا اظہار ہے۔ نہ کہ علم و فضل و عقل و دیانت کا اصرار و تقاضا ؛

دوسرا عذر مستریوں نے یہ پیش کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا "پادری آتھم سے موکد بعذاب حلف کا مطالبہ کیا معنے رکھتا تھا" آتھم سے کیوں نہ اپنے صداقت دعویٰ یعنے مسیح موعود ہونے پر مباہلہ کیا۔ مجھے حیرت آتی ہے۔ کہ مستری کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک بات بھی تو ان کے منہ سے ٹھکانے کی نہیں نکلتی۔ یہ تو زائیدہ مخالف تمام دنیا کو اپنے جیسا ہی احمق سمجھتا ہے۔ کہ وہ جو لکھ دیگا۔ لوگ اس پر فریفتہ ہو کر گر پڑینگے۔ او نادان سن حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم سے موکد بعذاب حلف کا مطالبہ صداقت اسلام اور صداقت الہام پر ہی کیا تھا۔ نہ کہ کسی جزئی اختلاف پر۔ پس وہ موکد بعذاب حلف کا مطالبہ یہ معنے رکھتا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کا دعویٰ الہام سچا اور اسلام سچا اور اسلام کا خدا سچا اور اسلام کا بانی محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم سچا ہے۔

امید ہے۔ کہ یہ مضمون سعید روحوں کی ہدایت کا موجب ہوگا۔ واخر دعوینا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علے خیر خلقہٖ محمد و آلہ اجمعین ؛

خاکسار:۔ **میر قاسم علی ایڈیٹر فاروق**

۱۲/۱۸ ۱

اب یہ بھی پڑھ لو

بابو عبد الحمید صاحب شملوی کی مستریوں سے بیزاری

—————:(※):—————

مستریوں نے اپنے اشتہاروں میں بار بار بابو عبد الحمید صاحب داماد مولوی عمر الدین صاحب اور ہمزلف مستری عبد الکریم پسر مستری فضل کریم کو جن کے نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے ۱۶ صفحہ کا خط بجواب ان کے شبہات و اعتراضات کے لکھا تھا۔ جس کے بعد وہ خدا کے فضل سے ہدایت یاب ہوئے۔ اور معافی نامہ لکھ کر بحضور حضرت صاحب ارسال کر دیا۔ یہ بابو صاحب آج کل پونہ میں ہیں۔ وہاں سے میرے نام ان کا مندرجہ ذیل خط مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۸ء صادر ہوا ہے۔ جس کو میں ناظرین کی واقفیت کے لئے اور خاص کر فضل کریم اینڈ کو مستریان کی زبان بندی کیواسطے بلفظہٖ شائع کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ بابو صاحب موصوف کو استقامت اور بیش از پیش اخلاص عطا فرمائے۔ آمین ؛

بابو عبد الحمید صاحب کا خط از پونہ

ایڈیٹر صاحب فاروق۔ السلام علیکم

ؔ آپ کا نوازشنامہ اور اخبار (فاروق کا خاص نمبر) ملا۔ پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ مجھے ازحد افسوس ہے۔ کہ یہ لوگ (مستری فضل کریم وغیرہ) میرا نام کیوں ابھی تک لئے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ سوائے میرے اور برادرم غلام احمد کے (جن کا خط قبل ازیں مستریوں سے بیزاری کا فاروق میں شائع ہو چکا ہے) شملہ میں کوئی نہیں تھا۔ جو اس سازش اور فتنہ میں حصہ لیتا تھا۔ ہذا میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ شملہ میں خدا کے فضل سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے۔ جس کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات پر اب کوئی اعتراض ہو۔ مجھے جو اعتراض تھے۔ وہ صاف ہو گئے تھے۔ مجھے حضرت صاحب نے معاف کر دیا تھا۔ افسوس ہے

ؔ اس سے آگے وہ خط بھی نقل کر دیا ہے۔ (فاروق)

"پیغام حق" (مستریوں کے اخبار) سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مولوی عبدالکریم اور دیگرہ (مستری خاندان) احمدیت سے ارتداد کر چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے۔ کہ اس نے مجھے فضل سے مجھے بچا لیا۔ ورنہ میں بھی اسی گڑھے میں گرا ہُوا تھا۔ جس میں یہ لوگ اب کھا رہے ہیں ؛

مولوی عبدالکریم صاحب کہتے تھے۔ کہ وہ احمدیت کو کبھی خیر باد نہیں کہہ سکتے کی خاطر انہوں نے گھر چھوڑا بار چھوڑے۔ حتّٰی کہ ساری دنیا چھوڑ دی۔ اور قادیان آگئے لیکن نتیجہ دیکھئے۔ تو اس سے ہر ایک انسان کو یقین ہو سکتا ہے۔ کہ احمدیت انہوں نے کی ہی نہیں تھی۔ جس شخص نے احمدیت کے روشن چہرے کو ایک دفعہ سچے دل سے دیکھ لیا ہو اس طرح بھٹک نہیں سکتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ ان پر رحم کرے۔ اور پھر وہ راہ راست پر آنکو آپ بھی ان کے لئے دعا کریں۔ آخر وہ دعوٰی کرتے ہیں۔ کہ احمدیت سے انہیں بغض نہیں مگر کاموں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ زبانی بات ہے۔ حضرت صاحب کی خدمت میں میرا باادب سلام کریں مشکور رہوں گا" والسلام ؛ (عبدالحمید احمدی از پونہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۸ء)

بابو غلام احمد صاحب شملوی کا خط

یہ خط فاروق میں شائع ہو چکا ہے۔ جس میں بابو غلام احمد لکھتے ہیں فتنہ پرداز لوگ لاہوری اثر کے ماتحت سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کے خلاف گندہ اور زہریلا پروپیگنڈا پھیلا رہے ہیں۔ اور فتنہ کا بانی، مبانی بعض نام یا مبایعین کو بتایا جاتا ہے۔ جو کہ سراسر غلط ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو پہلے معترض تھے۔ وہ اب اپنے آپ کو غلطی خوردہ حضور سے عفو کے ملتجی ہوئے۔ اور حضور نے از راہ کرم معاف کر دیا ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ یہ لوگ (مستری وغیرہ) کیوں اس قسم کے بیانات ہماری طرف منسوب کرکے عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لئے میرا یہ فرض ہے کہ میں ان کے بیانات کی تردید کروں۔ کہ میرا جماعت منافقین سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے دھوکہ میں آکر کچھ دنوں ان لوگوں سے تعلق رکھا۔ جو کہ حضور پر الزام لگاتے تھے۔ لیکن جب میں معاملہ کی حقیقت سے آشنا ہو گیا۔ اور مجھے اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ تو فوراً حضور سے عفو کا ملتجی ہُوا۔ اور خدا کے فضل سے اب میں حضور کا خادم ہوں ؛

(غلام احمد احمدی ازاکھی محلہ شملہ)